دنیائے اسلام کے اسبابِ زوال

حسنین رضا خان

عظیم پبلی کیشنز لاہور پاکستان

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مُصطفوی جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

دُنیائے اِسلام کے اسبابِ زوال

مُسلمانانِ عرب و عجم کی رُودادِ غم اور دُنیائے اِسلام کی داستانِ الم،
قرآن و حدیث اور تاریخی واقعات کی روشنی میں،

حسنین رضا خان

عظیم پبلی کیشنز ◎ لاہور پاکستان

کتاب ——— دُنیائے اِسلام کے اسبابِ زوال
تالیف ——— حسنین رضا خاں
تقدیم ——— مُختار جاوید
کتابت ——— خوشی محمد ناصر قادری خوش رقم جالندھری
پروف ریڈنگ ——— ظہورالدین خاں
ناشر ——— عظیم پبلی کیشنز لاہور
مطبع ——— دین محمدی پریس لاہور
طباعت بارِ اوّل ——— ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ / مارچ ۱۹۷۹ء
تعداد ——— ایک ہزار
صفحات ——— ۱۷۶
قیمت ——— ~~سولہ روپے پچاس پیسے~~ ۱۶/۵۰

ملنے کا پتہ

○ عظیم پبلی کیشنز، پوسٹ بکس نمبر ۱۹۹۶۔ لاہور
○ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ۔ لاہور
○ رضا پبلی کیشنز، مین بازار داتا صاحب لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تقدیم

از: مختار جاوید

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے فیضانِ نظر سے عرب کے بادیہ نشینوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے وُہ شان و شوکت عطا کی کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں ان کے قدموں تلے روندی گئیں اور رُوئے زمین پر کوئی ان کا ہمسر نہ رہا۔ صدیوں تک اسلام کا سبز ہلالی پرچم یورپ اور ایشیا کی فضاؤں میں مسلمانوں کے عروج کا نشان بن کر لہراتا رہا۔

پھر چرخِ نیلی فام نے یہ عبرتناک انقلاب بھی دیکھا کہ اُندلس کی اسلامی سلطنت کا آخری خلیفہ نمدے میں لپیٹ کر ہاتھی کے پیروں تلے کچل ڈالا گیا۔ ہندوستان کے آخری مغل تاجدار کو غریب الوطنی میں ایک قیدی کی موت نصیب ہوئی۔ مسلمان دُنیا بھر میں ذلیل و رُسوا ہو کر رہ گئے ـــ وُہ جو دُنیا بھر کے انسانوں کی آزادی کے امین تھے، خود غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔

سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ عالمِ اسلام اَوجِ ثریا سے زمین کی پستیوں تک کیسے اُتر آیا؟ اس کے اسباب کی فہرست بہت طویل ہو سکتی ہے لیکن بنیادی

اور سب سے بڑی وجہ ایک ہی ہے ـــــ ربّ عزّ وجل اور ہادیٔ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے احکام سے رُوگردانی وسرتابی۔

ارشاد تھا ـــ" اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور گروہوں میں نہ بٹو"ـــــ ہم نے دُشمنانِ اسلام کے گھوڑوں کی رکابیں تھامیں اور ملّتِ واحدہ کی بجائے اَن گنت فرقوں میں تقسیم ہو کر ایک دُوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ اسلام دُشمن قوتوں کو ہمیشہ ہم میں سے ہی کچھ لوگ آلہ کاروں اور غدّاروں کی شکل میں ملتے رہے، جن کی وجہ سے ہماری جیتی ہوئی بازیاں ہاریں تبدیل ہوتی رہیں۔ بنظرِ غائر دیکھیں تو عبداللہ بن ابی، مسیلمہ کذّاب، عبداللہ بن سبا، محمد بن عبدالوہاب، میر جعفر، میر صادق، مرزا غلام احمد، سید احمد بریلوی، اسماعیل دہلوی اور پھر تحریکِ پاکستان میں کانگریسی مولوی ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ جن کا مقصدِ وحید اتحادِ اسلامی کو پارہ پارہ کر کے اسلام دُشمن طاقتوں کو تقویّت پہنچانا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عہدِ سعید سے لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی نصف دورِ خلافت تک ملّتِ اسلامیہ کے لئے امن وسکون کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ عہدِ عثمانی میں عبداللہ بن سبا صنعانی نے دُوسرے منافقین سے مل کر اُمّتِ مُسلمہ کو فتنہ سے دوچار کر دیا۔ جو بالآخر شہادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتج ہوا۔

اسی فتنہ کے اثراتِ بد پُورے دَورِ حضرات علی وحسن رضی اللہ عنہما اور بعد میں سانحہ کربلا تک محیط ہیں۔ تاہم یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل تک عالمِ اسلام بالعموم صرف دو مذہبی فرقوں ـــ سُنّی وشیعہ ـــ سے ہی آشنا تھا۔ تا آنکہ ۱۷۳۷ء میں محمد بن عبدالوہاب نے

نجد میں نئے مذہب کا اعلان کیا۔

برِّصغیر پاک وہند میں ابن عبدالوہاب کی تعلیمات پہنچنے تک یہی دو مذاہب نظر آتے ہیں۔ علامہ سلیمان ندوی صاحب جو مشرباً مسلک اہل حدیث کے زیادہ قریب ہیں۔ "اہل حدیث اور خالص حنفی" کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں:-

دہلی کے اس خانوادہ (ولی اللّٰہی) کے فیضِ تعلیم سے دو اہم سلسلے چلتے ہیں۔ ہندوستان میں اب تک ترکستان وخراسان کے اثر سے صرف فقہ حنفی کا رواج تھا۔ عرب سے خال خال شافعی آتے تھے مگر ان کا اثر سواحل تک محدود تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں جب سمندر کی طرف سے عربوں کی آمد و رفت کا دروازہ کھلا تو ہندوستان اور عرب میں علمی تعلقات کا آغاز ہوا۔ چنانچہ شیخ بہلول (حضرت مجدد الف ثانی کے شیخ الحدیث) اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اس فیض کو وہیں سے لائے۔ اس سے حنفیّت کے غلو کے ساتھ حدیث وسُنّت کی پیروی کا خیال دِلوں میں پیدا ہوا۔ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے جب عرب کا سفر کیا اور مختلف مذاہب کے علماء سے فیض پایا تو ان کا مشرب زیادہ وسیع ہو گیا۔ وُہ عملاً گو حنفی ہی رہے مگر نظری اور علمی حیثیت سے وُہ مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ اِس شان کا علانیہ جلوہ ان کی مسوّیٰ اور مصفّیٰ شرح مؤطا میں نظر آتا ہے۔ بانکی پور کے مشہور کتب خانہ میں صحیح بخاری کا ایک قلمی نسخہ ہے جس پر شاہ صاحب نے ہاتھ کی ایک تحریر ہے جس میں اُنہوں نے اپنے آپ کو عملاً حنفی اور علماً و تدریساً حنفی و شافعی لکھا ہے ....

...... اس دُوسرے سلسلے میں توحید خالص اور ردّ بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کے بجائے براہِ راست کُتبِ حدیث سے بقدرِ فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا۔ اور اِسی سلسلے کا نام اہلِ حدیث مشہور ہوا۔

تیسرا فریق وُہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا۔ اور اپنے کو اہل السنّۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔ [۱]

مولانا ثناء اللہ امرتسری مدیر اہل حدیث نے ۱۹۳۷ء میں تحریر کیا تھا۔

"امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے۔ اسّی سال قبل پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔" [۲]

دُشمنانِ اسلام خوب سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت کو ختم کرنے کے لئے ان کی سیاسی مرکزیت کا خاتمہ اور انہیں ان کے مرکزِ عقیدت یعنی ذات سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برگشتہ کرنا ازبس ضروری ہے۔ بقول حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ؎

وُہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

۱؎ حیات شبلی از سید سلیمان ندوی ص ۴۳ تا ۴۶
۲؎ شمع توحید از مولانا ثناء اللہ امرتسری مطبوعہ سرگودھا ص ۴۰

چنانچہ سازشوں کے سارے تانے بانے انہی دو نکات کے گرد بُنے جاتے رہے۔

نجد میں محمد بن عبدالوہاب کی "تحریک"، ہو یا برّصغیر پاک و ہند میں سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کا "جہاد" ــــ ان کا اصل مقصد اقتدار پہ قبضہ اور اپنے آقایان ولی نعمت کا حقِ نمک ادا کرنا تھا۔ جس کے لیے انہوں نے مذہب کی آڑ لی۔ اس کے باوجود کہ ہندوپاک میں اس فرقہ کے لوگ اپنے "جہاد" کو ابنِ عبدالوہاب کی "تحریک" سے جوڑنے کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ دونوں میں حیرت انگیز مماثلت و یک رنگی ان کے "مصنّف" کے ایک ہونے کی چغلی کھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم و نظر نے اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کو ابنِ عبدالوہاب کی تصنیف "کتاب التوحید" کا ترجمہ کہا ہے۔ دونوں کی نہ صرف یہ کہ تعلیمات ایک ہیں بلکہ لب و لہجہ اور طریقہ واردات بھی بالکل ایک سے ہیں۔

دونوں نے عامۃ المسلمین کے مسلّمہ عقاید کو باطل ٹھہرا کر کفر و شرک کے فتاویٰ جاری کیئے اور ان کے قتال کو مُباح قرار دیا۔ بلکہ عملاً مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ ان کے اسباب کو لُوٹا اور خواتین کی بے حُرمتی کی۔ تاریخ کو حد درجہ مسخ کرنے کی کوششوں کے باوجود اب بھی حقائق چھلکے پڑتے ہیں۔ جن سے ان لوگوں کی اِسلام دُشمن طاقتوں سے دوستی اور مسلمانوں کے ساتھ دُشمنی ثابت ہو جاتی ہے۔ ذیل میں ہم دونوں گروہوں کی "کارگزاریوں" کی ایک جھلک پیش کر رہے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب نے حجاز مقدّس کے مسلمانوں کو اس بنا پر کافر اور مشرک قرار دیا کہ وُہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مزار پُر انوار پر حاضر ہو کر سلام پیش کرتے اور

شفاعت طلب کرتے تھے۔ پھر اپنے ہی فتویٰ کی روشنی میں مسلمانوں کے قتل کو جائز قرار دیا۔ چنانچہ اس نے امیر درعیہ۔ ابنِ سعود کے ساتھ معاہدہ کے بعد اہلِ مکّہ کے خلاف پہلی جنگ ۱۷۹۱ء (۱۲۰۵ھ) میں لڑی۔ ۱۲۱۷ھ میں اُنہوں نے طائف پر قبضہ کیا اور ۱۲۱۸ھ میں تین ماہ تک مکّہ معظّمہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ جس کے دوران اہلِ مکّہ نے کُتّے بِلّیاں اور گھاس و پتّے تک کھائے۔ اس کے بعد وُہ جدّہ پر حملہ آور ہُوئے جہاں انہیں زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۲۲۰ھ میں انہوں نے مدینہ منوّرہ پر حملہ کیا اور تمام مقابر کو تاخت و تاراج کر دیا۔ امیر سعُود نے اہلِ مدینہ سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"آج تمہارا دین مکمل ہو گیا ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد جو ۵۰۰ھ کے بعد مرے، حالتِ کفر میں مرے۔ ہم تمہیں بتائیں گے کہ عبادت کیسے کرو اور یہ کہ جو "وہابی مت" قبول نہ کریں گے، ان کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ بچے غلام بنا لئے جائیں گے۔ اور عورتیں میری سپاہ پر حلال ہوں گی۔" [1]

ترکی کے معرُوف مؤرّخ جناب حسین حلمیؔ نے اپنی مشہُور تصنیف ENDLESS BLISS میں ابنِ عبدالوہاب اور اس کے گروہ کے مظالم کی تفصیل بیان کی ہے۔ اِس کتاب کے ایک صفحہ کا عکس اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب ایک اِقتباس مرزا حیرت کی کتاب "حیاتِ طیّبہ" سے ملاحظہ فرمائیے:۔

"۱۸۰۳ء کے اِختتام پر مدینہ بھی سعُود کے قبضہ میں آگیا۔ مدینہ لے کر اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک اُبال آیا کہ اس نے اور

---

[1] ENDLESS BLISS از حسین حلمی مطبوعہ استنبول، ترکی

of the Hucre-i se'âdet, "O Resûlallah, I have many sins. Do shefâ'at for me!" A Wahhabite hodja approached him, pulled him on the collar and said, "He is dead. He does not hear anything." The Ehl-i sünnet Moslem said, "The hundred and fifty-fourth âyet of Bakara sûreh of the Kur'ân declares, *(Do not say that those who died in the way of Allah are dead! They are alive. But you do not understand this).* Since it is prohibited to say 'dead' about one of the ümmet of this great Prophet, how can you say dead about the Highest of Mankind?" Being unable to answer, the Wahhabi was disgraced and left the place].

The savants in the blessed city of Mecca issued a written decree proving that Wahhabis were disbelievers, and sent its copies everywhere. They did not let Wahhabite hadjis go into Mecca.

The first war between the Meccans and the Wahhabis was made in 1205 A.H. (1791 A.C.) There was no result. In order to get rid of the Wahhabis' cruelty and torment, the tribes and villagers turned Wahhabis. Thus getting strong, they captured the city of Tâif in 1217. They put all the Moslems to the sword, no matter whether they were women or children. In 1218, they besieged the blessed city of Mecca for three months. The Meccans ate cats, dogs, grass and leaves. At last, not finding these, either, they had to surrender. The Wahhabis insulted and tormented the inhabitants, and said, "Those who died after the year 500 became disbelievers. We will bring you round to îmân". They martyred those Ehl-i sünnet Moslems who would not admit Wahhabiism. Then they went to Jidda, but they suffered a defeat there, most of them died, and they returned to Der'ıyye. In 1220, they attacked the blessed city of Medina and plundered the Hazine-i nebevviye. They demolished all the sacred tombs and subjected the inhabitants to very bitter torture and loathsome treatment. Their chief, Sü'ûd, gathered the people in the Mesjid-i se'âdet and said, "O you the inhabitants of Medina! Today your religion has been completed. You have become Moslems and pleased Allah! Do not esteem your fathers' and grandfathers' superstitious religion any more. Do not remember them with mercy! All of them died as polytheists and disbelievers. Our books explain how you will worship. Be it known that the possessions, the properties, the children, the wives of those who will not obey our savants are mubâh (free) for my soldiers! They will put you all in chains and torment you. You will no longer stand in front of the Prophet's Mausoleum and say, 'Esselâmü aleyke ya Resûlallah'." He uttered many more loathsome terms which we cannot write here. The Wahhabis did not let the Ehl-i sünnet hadjis go into Mecca for seven years.

In those years, Ottoman army had been warring against exterior enemies. There was chaos in the interior, too. [Though we had been at peace with France for many years, Napoleon Bonaparte had attacked Egypt with fifty thousand soldiers in 1213 A.H. In fights on the sea and on land, the enemy was repelled from Egypt. Russia having attacked our borders, a war was declared in 1221. British navy entered the country through the Dardanelles and come up to Yedikule. All the officials, soldiers and the people, led by the Emperor, Selim Khan III, placed with a great effort more than a thousand cannons on the coasts within three days, thus defeating the navy without any fight. Russia offered peace, but then attacked again and crossed the Danube in 1224. After long combats, Pact of Bukresh was made in 1227. Inside the country, irreligious people had appeared here and there, who had been tormenting the people and disobeying the State. Selim Khan III, who was the caliph at that time, had been training drilled soldiers on the one hand, and on the other hand he had been building cannon factories and running them. Upon seeing the trained soldiers, the Janisseries, particularly those at the bastions of the Bosphorus,

مقبروں سے گزر کر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کو بھی نہ چھوڑا اور اس چادر کو اُٹھا دیا جو کہ آپ کی قبر مقدس پر پڑی تھی"۔ [۱]

اس طرح اسلام دشمنوں کا اتحادِ اسلامی کو توڑنے کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اور پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر شریف حسین بن علی کو امارت سے علیحدہ کر کے امیر درعیہ کو حاکم بنا دیا گیا۔

جو کام محمد بن عبدالوہاب سے حجاز مقدس میں لیا گیا، وہی برِصغیر پاک و ہند میں سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی سے لیا گیا۔ انگریز نے مسلمانوں کی قوت کو منتشر کرنے کے لئے ان دونوں سے مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگوائے اور مسلمانوں کے خلاف ان سے "جہاد" کروایا۔ چنانچہ سرجان میلکم لکھتا ہے :-

"ہماری حکومت کی حفاظت اس پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں ان کو تقسیم کر کے ہر جماعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تاکہ وہ جدا رہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کر سکیں"۔ [۲]

اور اس پر عمل یوں ہوتا ہے :-

"منافقین کے ساتھ جہاد کرنا بحکم "مقدمۃ الواجب" ایک واجب معاملہ ہے اس لیے خاکسار سچے مسلمانوں کے ساتھ شہر پشاور اور قرب و جوار سے بدکردار منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجتار تک پہنچ گیا ہے"۔ [۳]

---

[۱] حیاتِ طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۰۹

[۲] ماہنامہ "البلاغ" کراچی۔ فروری ۱۹۶۹ء مضمون۔ "برِصغیر کے اسلامی مدارس"۔ از شمس الحق افغانی

[۳] مکتوبات سید احمد شہید ص ۱۳۵ "مکتوب بنام سردار میر عالم خاں باجوڑی"۔

مسلمانوں کے خلاف "جہاد" سے متعلق دو اقتباسات "تاریخ تناولیاں" مصنفہ سید مراد علی گڑھی ملاحظہ فرمائیں :-

۱۔ "۱۸۳۰ء میں سید احمد بریلوی اور محمد اسماعیل دہلوی نے پشاور، مردان اور سوات کی مسلم آبادی کو بزورِ شمشیر محکوم بنا کر سردار پائندہ خاں کو پیغام بھجوائے اور خود مل کر بھی بیعت کی دعوت دی۔ جب وہ بیعت پر تیار نہ ہوا تو سید صاحب نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر چڑھائی کر دی"۔ [۱]

۲۔ "راویانِ معتبر بچشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۸۳۰ء میں خلیفہ سید احمد سر گروہِ وہابیاں نے یار محمد خان حاکم پشاور و کوہاٹ برادر دوست محمد خان والئ کابل کو بہ پشت گرمی لشکرِ غازیاں شکست دی اور ملک پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کر کے اپنے تھانہ جات مقرر کئے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا"۔ [۲]

جس طرح محمد بن عبدالوہاب نے اہلِ حجاز کو "نئے دین کی بشارت" دی تھی۔ اسی طرح سید احمد نے یہاں اپنے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ "تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت" جلد دوم (صفحہ ۲۹۱) میں اس کی مہدویت کا بدیں الفاظ اندراج ہے :- "وہ شاہِ مملکت کہ جس کا سال خروج

امامِ برحق مہدی نشاں علی قدر ہے" [۳]

اسی کتاب یعنی تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت کے صفحہ ۲۹۳ پر لکھا ہے :-

---

[۱] تعارف "تاریخ تناولیاں" از محمد عبدالقیوم جلوال (تناولی) ص ۲

[۲] تاریخ تناولیاں از سید مراد علی گڑھی ص ۴۹-۵۰، مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور

[۳] اسبابِ زوالِ مسلمان در ملکِ ہندوستان، از ابو محمد سید جنید احسینی صوفی اشرفی ص ۷ مطبوعہ دائرہ الیکٹرک پریس حیدرآباد

"اس کی مُہر پر اسمۂ احمد کندہ کیا گیا ہے۔" [۱]

پھر جس نے بھی اس "امامت" کا انکار کیا اس کے خلاف "جہاد" فرض ہوگیا۔ یُوں مُسلمانانِ سرحد کا بے دریغ خُون بہایا گیا اور انگریز کی عملداری میں وُسعت کی راہ ہموار کی گئی۔ مشہُور وہابی مؤرّخ غلام رسُول مہر کے الفاظ ہیں :-

"امامت کا کام پُورا ہوگیا تو شاہ صاحب نے منکرینِ امامت کو باغی اور واجب القتل قرار دیا۔" [۲]

اِس مہدویت کے پردے میں دراصل دعویٰ نبوّت کا ارادہ کارفرما نظر آتا ہے۔ جس پر نجانے کیوں عمل نہ کیا جاسکا۔ اس کی ایک صُورت تو آپ نے اُوپر کی سطور میں ملاحظہ فرمائی کہ مُہر پر "اسمۂ احمد" کے الفاظ کندہ کرائے گئے جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی طرف سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی آمد کی بشارت کے سلسلہ میں قرآنِ عظیم میں مذکور ہیں۔ گویا (نعوذ باللہ) آیتِ قرآنی جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حق میں ہے اسے اپنے لئے استعمال کیا۔

اب اسماعیل دہلوی کی کتاب "صراطِ مستقیم" سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں کہ کس ڈھٹائی سے اپنے جاہل پیر سیّد احمد کو فخرِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مشابہ و مثیل قرار دے رہا ہے۔

"آپ (سیّد احمد صاحب) کی ذاتِ والاصفات ابتداءِ فطرت سے جنابِ رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت

---

[۱] اسبابِ زوالِ مسلمان در ملکِ ہندوستان از ابُو محمد سیّد چند احسینی صوفی اشرفی صـ۷، مطبوعہ دائرہ الیکٹرک پریس حیدر آباد

[۲] سیّد احمد شہید از غلام رسُول مہر، جلد ۲، صـ۹۲

پر پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے آپ کی لوحِ فطرت علُومِ رسمیہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دانشمندوں کی راہ و روش سے خالی تھی۔" [۱]

پھر اسی پر بس نہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح سیّد احمد صاحب کے ساتھیوں کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کے ہم پلّہ ٹھہرایا جارہا ہے۔ چنانچہ محمد جعفر تھانیسری اپنی کتاب سوانح احمدی میں لکھتے ہیں :-

"اوّل اور افضل سارے خلیفوں کے مولوی عبدالحی صاحب داماد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے ہیں۔ دوم مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید، یہ دونوں بزرگ بمنزلہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، آپ کے یارِ غار اور جاں نثار تھے۔" [۲]

واقعات شاہد ہیں کہ یہ سارے بکھیڑے صرف انگریز کا حقِ نمک ادا کرنے اور ان سے یارانہ نبھانے کے لئے کئے جارہے تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ بعد میں بھی ایک طویل عرصے تک "مجاہدین" انگریز کے ٹکڑوں پر ہی پلتے رہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی عینی شہادت ملاحظہ فرمایئے :-

"ایک دفعہ میں سرحد پار بنیر کے مقام پر گیا ...... میں اس اُمید میں کہ شاید سیّد احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی جماعتِ مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے اُدھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا وہ حد درجہ افسوسناک تھا اور قابلِ رحم تھا۔ وہاں پہنچ کر

---

[۱] صراطِ مستقیم از اسماعیل دہلوی صـ۳۳، مطبوعہ مطبع احمدی لاہور

[۲] سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیسری صـ۱۴۰

مجھے معلوم ہوا کہ وُہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے
کس بُری حالت میں ہے۔ اور اس کی گزران اور اس کی زندگی کس طرح
صاحبزادہ عبدالقیوم خاں کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہینِ منت ہے"۔ [۱]

خیر یہ تو عام "مجاہدین" تھے۔ اسماعیل دہلوی کے مُریدِ خاص اور جانشین مولوی
نذیر حسین کو انگریز بہادر کی طرف سے عطا ہونے والا سرٹیفکیٹ ملاحظہ فرمائیں:۔

"مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بہت بڑے مقتدر عالم ہیں
جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری، گورنمنٹ برطانیہ کے
ساتھ ثابت کی ہے ...... جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی مدد وُہ
چاہیں گے وہ ان کو مدد دے گا۔ کیونکہ وُہ کامل طور سے اس مدد
کے مستحق ہیں"۔

(دستخط) جے۔ ڈی ٹریملٹ بنگال سروس
کمشنر دہلی وسپرنٹنڈنٹ، ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء [۲]

اسماعیل دہلوی کے پُورے فرقہ کی انگریز سے وفاداری کا عہد محمد حسین بٹالوی
کی زبانی سُنیئے۔ وُہ اپنے مشہور رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" میں رقمطراز ہیں:۔

"بعض اشخاص کا تو صریح لفظی اور حقیقی عہد ہو چکا ہے۔ یہ وُہ
لوگ ہیں جو تحریراً و تقریراً حاضر و غائب خیر خواہی و وفاداری گورنمنٹ
کا دم بھرتے ہیں اور ان کی خدمت و معاونت میں سرگرم ہیں۔ ان ہی
لوگوں میں پنجاب کے اہل حدیث داخل ہیں جنہوں نے سرہنری ڈیوس

---

[۱] افادات وملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی، از محمد سرور، ص ۳۶۲

[۲] الحیات بعد الممات، از فضل حسین بہاری، ص ۱۴۰

صاحب بہادر کے عہدِ لفٹیننٹ گورنری میں بذریعہ ایک عرضداشت کے
اس عہد کا اظہار کیا تھا جس پر ۱۸۶۶ء میں پنجاب گورنمنٹ سے ایک
سرکلر بھی ان کی تصدیق و تائید میں مشتہر ہوا تھا"۔ [۱]

یہی مولوی محمد حسین بٹالوی اسی رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" کے صفحہ
۴۹ - ۵۰ پر لکھتے ہیں:۔

"مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وُہ سخت گناہگار
اور بحکمِ قرآن و حدیث وُہ مفسد و باغی بدکردار تھے۔ اکثر ان میں عوام کالانعام
تھے بعض جو خواص و علماء کہلاتے تھے وُہ بھی اصل علومِ دین (قرآن و
حدیث) سے بے بہرہ تھے یا نافہم و بے سمجھ۔ باخبر و سمجھ دار علماء اس میں
ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس غدر کو جہاد بنانے
کے لئے مفسد لئے پھرتے تھے انہوں نے خوشی سے دستخط کئے۔ اس
کی تفصیل ہم اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۰ جلد ۸ میں کر چکے ہیں۔ یہی وجہ تھی
کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند
تھے اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن و عہد میں
رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں"۔ [۲]

اس رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" کے سرورق اور صفحہ ۲ کے عکس آئندہ
صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گروہ انگریز کی کاسہ لیسی اور
خوشامد میں کتنا آگے نکل گیا تھا۔

---

[۱] الاقتصاد فی مسائل الجہاد۔ از ابو سعید محمد حسین لاہوری (بٹالوی) ص ۴۸ مطبوعہ وکٹوریہ پریس

[۲] الاقتصاد فی مسائل الجہاد۔ از ابو سعید محمد حسین لاہوری ص ۴۹ - ۵۰

حصہ اول

رسالہ

الاقتصاد فی مسایل الجہاد

جسکو

ابو سعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ نے

تالیف کیا

اور

مختلف فرقہ ہاے اہل اسلام کے خواص و عوام نے

پسند کیا

اور

پنجاب کے نامور و ہر دلعزیز لفٹننٹ گورنر چارلس ایچسن صاحب بہادر کے سی ایس آئی وغیرہ نے بنفس نفیس اپنے نام نامی سے اسکا

ڈیڈیکیٹ ہونا منظور فرمایا

اور

اسمین مسئلہ جہاد کی ایسی تحقیق و شرح ہوئی ہے جسکی نظیر اسوقت تک کسی کتاب
مین جو اس باب مین تالیف و مطبوع ہو چکی ہین پائی نہین گئی

وکٹوریہ پریس مین چھپا

التماس

ناظرین با تمکین سے جو اصل اصول مسایل رسالہ "اقتصاد" کی نسبت بجواب استشہاد مندرجہ ضمیمہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۱ جلد ۲ مشتہرہ نومبر ۱۸۷۶ء توافق راے ظاہر فرما چکے ہین اب اسکے تفصیلی مسایل اور اسکے دلایل کی نسبت اپنا توافق راے ظاہر کرین اور اپنے نام نامی بخط واضح پوری تفصیل مقام و خطاب و عہدہ سے تحریر مین لا کر ہمارے پاس بھیجدین۔ ہم ان نامون کو بشمول رسالہ اقتصاد یا بذریعہ اشاعۃ السنۃ گورنمنٹ مین پیش کرینگے اور سلطنت انگلشیہ کی نسبت انکی وفاداری و اطاعت شعاری کو خوب شہرت دینگے

اور جنکو اس رسالہ کے کسی مسئلہ یا دلیل کی نسبت کوئی علمی یا مذہبی اعتراض ہو وہ اپنے اعتراض سے مؤلف کو آگاہ کرین ان کے اعتراض کا جواب جسطرح وہ چاہئین (خفیۃ خواہ علانیۃ) دیا جائیگا اور ان کے نام کا ہرگز کہین ذکر نہوگا۔

واللہ علی ذلک شہید وکفی باللہ شہیدا وکفی باللہ وکیلا

آج بہت سے ایسے تاریخ گھڑنے والے پیدا ہو گئے ہیں جو حقائق پر جھوٹ کی دبیز تہیں چڑھا کر اپنے "اکابر" کی کارگزاریوں پر پردہ ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ وُہ انگریزوں کے پروردہ اور جی حضوریوں کو جنگِ آزادی کا "مجاہد" ثابت کرنے کی سعیٔ ناکام کر رہے ہیں لیکن ان کے بڑے خود ایسے تحریری و دستاویزی ثبوت چھوڑ مرے ہیں کہ اب کوئی ملمع سازی کام نہیں آسکتی۔

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کا شمار اکابر علمائے دیوبند میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے اپنے پیرو مرشد مولوی رشید احمد گنگوہی کی سوانح "تذکرۃ الرشید" کے نام سے لکھی ہے۔ یہ کتاب جو مریدانہ عقیدت و محبت کے جذبہ سے لکھی گئی ہے اور اپنے مکتبہ فکر کے لوگوں میں بڑا مقام رکھتی ہے۔ اپنے صفحات میں کچھ ایسے حقائق سموئے ہوئے ہے جو محمد بن عبدالوہاب اور اسماعیل دہلوی کے جانشینوں کے "مجاہدانہ کردار" پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔

"الزام بغاوت اور اس کی کیفیت" کے زیرِ عنوان میرٹھی صاحب رقمطراز ہیں:۔

"شروع ۱۲۷۶ سنہ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وُہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی[1] قدس سرّہٗ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی۔" [2]

میرٹھی صاحب راوی ہیں کہ ان کے ممدوح اور دُوسرے اکابر نہ صرف یہ کہ جنگِ آزادی میں شریک نہ تھے بلکہ وُہ انگریز کی حمایت میں مجاہدینِ آزادی کے خلاف برسرِ پیکار بھی رہے۔ ایک واقعہ انھی کی زبانی سُنیئے:۔

---

[1] یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی

[2] تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی میرٹھی ص ۷۳، مطبوعہ مکتبہ بحر العلوم کراچی

"ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیقِ جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیبِ رُوحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے طیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جمِ غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں۔ چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیرِ ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔" [1]

آج سارا زورِ قلم یہ ثابت کرنے پر صرف کیا جا رہا ہے کہ سیّد احمد، اسماعیل دہلوی اور ان کے جانشین انگریز دشمن اور تحریکِ آزادی کے ہیرو تھے۔ لیکن خود ان لوگوں کا انگریز سے "تعلق" کیسا تھا۔ یہ بھی عاشق الٰہی میرٹھی کی زبان سے سُنیئے:۔

"جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحم دل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بُزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مُخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں۔ انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا۔" [2]

---

[1] تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی میرٹھی ص ۷۴، ۷۵، مطبوعہ مکتبہ بحر العلوم کراچی

[2] تذکرۃ الرشید، از عاشق الٰہی میرٹھی ص ۷۶ مطبوعہ مکتبہ بحر العلوم کراچی

انگریز سے وفاداری اور فرماں برداری کے منہ بولتے ثبوت کے ساتھ مذکورہ کتاب سے ایک اقتباس اور پیشِ خدمت ہے :-

"......میں[1] جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔"[2]

ظاہر ہے کہ یہ لوگ انگریز کے خلاف کیوں کر لڑ سکتے تھے جب ان کے پیر و مرشد سیّد احمد اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کا فتویٰ انگریز کی حمایت میں موجود تھا محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں :-

"یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکارِ انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رُو و ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔"[3]

انگریزوں سے یہ تعلقِ خاطر ہی تھا کہ عین ان کی ناک کے نیچے ان کی عملداری میں فوج جمع ہوتی رہی۔ چندہ اکٹھا ہوتا رہا اور مسلح لشکر کے ساتھ سرحد پار ہوگئی لیکن حکومت خاموش تماشائی بنی رہی ـــ آخر کیوں؟

---

[1] "میں" سے مُراد رشید احمد گنگوہی ہے۔

[2] تذکرۃ الرشید، از عاشق الٰہی میرٹھی۔ ص ۸۰، مطبوعہ مکتبہ بحر العلوم کراچی

[3] سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیسری۔ ص ۷۳ مطبوعہ دہلی

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اس سلسلہ میں بھی تاریخ بہت کچھ بتاتی ہے لیکن خوفِ طوالت سے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جا رہے۔

غلط مذہبی عقائد کے علاوہ انگریز سے روابط کی وجہ سے بھی عامۃ المسلمین سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کی نام نہاد تحریکِ جہاد سے بے حد متنفر رہے۔ چنانچہ جب یہ لوگ اپنی نوعیت کے انوکھے "جہاد" کی غرض سے صوبہ سندھ و سرحد میں داخل ہوئے، تو انہیں انگریز کا جاسوس سمجھا گیا۔ اسماعیل پانی پتی رقمطراز ہے :-

"جب حضرت شہید بعزمِ جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقے میں داخل ہوئے (جو اس وقت انگریزی عملداری میں نہ تھے) تو ان کے متعلق عام طور سے یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں۔ اور یہ شبہ اس بنا پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے۔"[1]

مذہب تو چونکہ محض ایک بہانہ تھا۔ اور اصل مدعا ہوسِ ملک گیری اور دُنیوی عیش و عشرت تھی۔ اس لیے سرحد کے جس تھوڑے سے علاقہ نے سیّد احمد صاحب کی "خلافت" کا "سُنہری دَور" دیکھا ہے۔ وہ زبانِ حال سے اس گروہ کی عیاشیوں اور مظالم کی داستانیں سُناتا ہے۔

مرزا حیرت دہلوی اپنی مشہور کتاب حیاتِ طیبہ میں لکھتے ہیں :-

"ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاحِ ثانی ہو۔ مگر مجاہد صاحب

---

[1] حاشیہ مقالات سرسیّد حصہ شانزدہم از محمد اسماعیل پانی پتی، ص ۲۵۱

زور دے رہے ہیں، نہیں ہونا چاہیئے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی
کو حوالہ مجاہد کرتے تھے۔ اِس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔" ۱؎

بات صرف زبردستی نکاحوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی نام نہاد مجاہدین ہر طرح کی ناگفتنی حرکات میں مُبتلا رہتے تھے مشہور اہل حدیث ادیب و رہنما مولوی محمد علی قصوری کی تصنیف "مشاہداتِ کابل و یاغستان" کے صرف دو اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ جن سے نام نہاد مجاہدین کے کردار کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے:۔

۱۔ "(جماعت کے امیر نعمت اللہ) عورتوں کے بے حد شوقین تھے۔ تین تو ان کی نکاحتا بیویاں تھیں۔ اور دس بارہ نہایت خُوب صورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خان کی طرح امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انہی نوجوان لڑکیوں سے لہو و لعب میں گزرتا تھا۔" ۲؎

۲۔ "امیر صاحب کی خادماؤں میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چُپکے سے دریا بُرد کر دینا امیر صاحب کی عادت تھی کہ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔" ۳؎

بالآخر یہ لوگ اپنی غلط حرکات، گندے عقائد اور مظالم کی بنا پر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔ اور غیور سرحدی مُسلمانوں نے ان کو قتل کر کے اپنی غیرتِ ایمانی کا ثبوت فراہم کر دیا۔ یُوسف جبریل اسماعیل دہلوی کے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جانے

۱؎ حیاتِ طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۳۵۶

۲؎ مشاہداتِ کابل و یاغستان، از مولوی محمد علی قصوری۔ صفحہ ۱۰۸۔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی

۳؎ مشاہداتِ کابل و یاغستان، از مولوی محمد علی قصوری۔ صفحہ ۱۰۸۔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی

کی تصدیق بدیں الفاظ کرتے ہیں:۔

"اسماعیل شہید جیسے لوگ سر سے کفن باندھ کر لوگوں کو سکھوں کے عذاب سے نجات دلانے آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے شہید ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔" ۱؎

گو برِّصغیر پاک و ہند میں اس گروہ کو اپنے مقصد یعنی اقتدار پر قبضہ کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور وُہ محمد بن عبدالوہاب کی طرح کسی وہابی حکومت کی داغ بیل نہیں ڈال سکے۔ لیکن مستقل مذہبی تفرقہ کی بنیاد پڑ جانے سے مسلمانوں کی عظیم قوت منتشر ہو کر رہ گئی۔ جس کا نقصان مابعد —— بالخصوص تحریکِ پاکستان میں بہت زیادہ پہنچا۔

مُسلمانانِ برِّصغیر پاک و ہند میں تحریکِ پاکستان کے دوران جو عظیم جذبہ اُبھر آیا تھا۔ اگر ان کی صفوں میں اتحاد رہتا تو تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان کا نقشہ اس سے کہیں مختلف ہوتا جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو عالمِ وجود میں آیا۔

بدقسمتی سے تاریخ کے اِس نازک موڑ پر ایک مرتبہ پھر ابنِ عبدالوہاب، سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کے نام لیواؤں نے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپا اور اپنا سارا زور "اکھنڈ بھارت" کے قیام کے لیئے کانگرس کی حمایت میں صرف کر دیا چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی حسین احمد نے اپنی مسندِ افتاء سے اعلان کیا کہ "قومیں مذہب سے نہیں اوطان سے بنتی ہیں"۔ جس پر حکیم الامت علاّمہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بسترِ مرگ سے سخت گرفت کی اور اس گھناؤنی سازش کے

۱؎ مضمون "المیہ سپانیہ کے عوامل"، از یُوسف جبریل (روزنامہ نوائے وقت) لاہور، ۲۵ اگست ۱۹۷۶ء)

تار و پود یہ فرما کر بکھیر دیئے۔[1]

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
زِ دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ ملّت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمّدِ عربی ست
بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست[2]

مولوی حسین احمد حکیم الاُمّت کے اِس ایمان افروز اعلان پر تو منقار زیرِ پر رہے لیکن علّامہ کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد ہی متحدہ قومیّت کے فتنہ کے حق میں قرآن و حدیث کی خود ساختہ تاویلات اور غلط اِستدلال سے گمراہ کُن پراپیگنڈہ کی زبردست مہم کا آغاز کر دیا۔

اِس "کارِ خیر" میں مدرسہ دیوبند کے سبھی چھوٹے بڑے (ماسوائے مولانا اشرف علی تھانوی و مولانا شبیّر احمد عثمانی وغیرہم) بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے۔ ابُو الکلام آزاد اور عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ کا فنِ خطابت بھی قیامِ پاکستان کو روکنے کے لِئے ہی صرف ہوتا رہا۔ لیکن یہ محض اللہ کا فضل و کرم تھا کہ ساری سازشیں ناکام ہو گئیں۔ اور مسلمان اپنے عظیم قائد بابائے قوم حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں علیحدہ آزاد وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

---

[1] علاّمہ مرحُوم نے اِس موضُوع پر ایک مضمُون بھی لکھّا اور تین شعر اَور بھی کہے۔ یہ سب چیزیں کتاب "اِقبال کا آخری معرکہ" مؤلّفہ سیّد نور محمد قادری میں آگئی ہیں۔

[2] "اَرمغانِ حجاز" از علاّمہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ۔ ص ۲۷۸

مدرسہ دیوبند کے جن ایک دو علماء نے کانگرس کی ہم نوائی نہیں کی انہیں اپنے ہی ساتھی عُلماء بلکہ شاگردوں تک سے گالیاں کھانی پڑیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی اپنی زبان میں :-

"دارالعلُوم دیوبند کے طُلباء نے جو گندی گالیاں اَور فحش اِشتہارات اَور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کِئے، جن میں ہم کو ابُوجہل تک کہا گیا۔ اَور ہمارا جنازہ نکالا گیا۔ آپ حضرات نے اِس کا بھی کوئی تدارک کِیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے کہ اِس وقت دارالعلُوم کے تمام مدرّسین، مُہتمم اَور مُفتی سمیت بِالواسطہ یا بِلاواسطہ مجھ سے نِسبت تلمّذ رکھتے ہیں۔"[1]

مولانا اشرف علی تھانوی کو اجماع عُلمائے دیوبند سے اِختلاف پر کیا کچھ سُننا پڑا۔ اِس کا قِصّہ پروفیسر محمد سرور سے سُنئیے :-

"مولانا سِندھی، مولانا اشرف علی صاحِب تھانوی کے عِلم و فضل اَور اِرشاد و سلُوک میں انہیں جو بلند مقام حاصل تھا اس کے تو قائل تھے۔ لیکن تحریکِ آزادیٔ ہند کے بارے میں ان کی جو معاندانہ اَور انگریزی حکومت کے حق میں جو مؤیّدانہ روش رہی اس سے وُہ بہت خفا تھے۔"[2]

گویا مولانا اشرف علی تھانوی کی جانب سے علمائے دیوبند کو

---

[1] مکالمۃ الصدرین۔ مطبوعہ ہاشمی بک ڈپو لاہور، ص ۳۲-۳۳

[2] افادات و ملفوظات، مولانا عبیداللہ سندھی، ص ۳۸۲

ہندوؤں کی کاسہ لیسی سے روکنے کی یہ سزا ملی کہ وُہ انگریز دوست
اور وطن دُشمن قرار دے دیئے گئے۔

خِرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خِرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

یہ لوگ ہندو کے دامِ تزویر میں اِس بُری طرح گرفتار ہُوتے کہ دِین،
اِیمان، مذہب سب کچُھ تج دیا اور صرف کانگرس اور اس کے رہنماؤں
کے نام کا جاپ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہندو لیڈروں کو مساجد
میں منبرِ رسُولؐ پر لا بٹھایا۔ کاش مسلمانوں کی صفیں ایسے غدّاروں سے
پاک ہوتیں تو آج ان کی تاریخ اور تقدیر دونوں کتنی مختلف ہوتیں۔
آیئے دُعا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلّم کے وسیلۂ جلیلہ سے مسلمانانِ عالم کو اِس طرح کے فتنوں سے
محفوظ رکھے اور دولتِ اِیمانی کے ساتھ ساتھ اِتحاد و اِتفاق کی برکتو ں
سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

زیرِ نظر کتاب "دنیائے اِسلام کے اسباب زوال" ــ بریلی شریف
کے مشہُور علمی خاندان کے چشم و چراغ اور معرُوف صاحبِ دیوان
نعت گو شاعر حضرت مولانا حسن رضا خاں حسؔن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
کے صاحبزادے حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی مدظلہٗ کی کاوش و
تحقیق کا نتیجہ ہے۔ جس میں فاضل مؤلّف نے اِنتہائی دِل سوزی اور دردمندی
کے ساتھ مسلمانوں کے زوال کے اسباب و علل کی نشاندہی کی ہے۔

عظیم پبلی کیشنز نے پاکستان میں اِس کی اشاعت کا اِنتظام
کر کے ایک عظیم خدمت انجام دی ہے۔ اللہ کریم ادارہ مذکُور کو
اِس کی جزائے خیر عطا کرے۔

جمعۃُ المبارک
۱۷۔ ربیعُ الثّانی ۱۳۹۹ھ
۱۶۔ مارچ ۱۹۷۹ء

احقر مُختار جاوید عفی عنہ
سمن آباد۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تمہید

اِسلامی مؤرّخین نے مُسلمانوں کے زوال کا سبب عموماً بیرونی حملوں کو قرار دیا ہے۔ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ جہادوں نے عیسائیوں اور مُسلمانوں میں عداوت کی ایک بڑی خلیج پیدا کر دی جس کی وجہ سے یورپ میں اِسلام کا پھیلاؤ رُک گیا اور اِس کُشت وخون سے فریقین کی نسلیں تباہ ہوتی رہیں۔ مگر یہ حملے مُسلمانوں کے انحطاط کا مُستقِل سبب نہ بن سکے۔

تاتاریوں نے بھی بلادِ اِسلامیہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا حتّٰی کہ اُنھوں نے خلافتِ عبّاسیہ کا خاتمہ ہی کر دیا مگر اِسلام کی جاذبیّت میں سرِ مُو فرق نہ آیا۔ صرف اِتنا ہُوا کہ عرُوجِ اِسلام جو اُس وقت کی اِسلامی حکومت سے جس حد تک وابستہ تھا وُہ بھی حکومت کے ساتھ زوال پذیر ہوتا رہا۔

یہ اِسلامی تاریخ کا ایک ہی رُخ تھا جو مؤرّخین دِکھاتے آئے۔ آپ دیکھتے اور یقین کرتے آئے۔ مگر حقیقت اس کے خلاف ہی ہے۔ اِسلام میں عرُوجِ اِسلام کے لِئے مُسلمان کا بادشاہ ہونا شرط نہیں۔ یہ ضرُور ہے کہ جب مُسلمان صحیح معنی میں مُسلمان ہو جاتا ہے یعنی قانُونِ اِسلام (قرآن پاک وحدیثِ صاحبِ لولاک) کو اپنا دستور العمل بنا لیتا ہے۔ تو اُسے حسبِ اِستطاعت منجانب اللّٰہ اس قانون کے نفاذ کا حکم ہوتا ہے۔ اور اُسے

غُداوندِ عالم ہی طاقتِ نفاذ بھی دیتا ہے۔ اس طاقتِ نفاذ ہی کا دُوسرا نام حکومتِ شرعیہ ہے۔ حکومتِ شرعیہ کی تشکیل اسی طرح ہوتی ہے۔

ہمیں یہ کہنا تھا کہ بیرُونی حملے اسلام کا کبھی کچھ بگاڑ نہ سکے۔ بلکہ پونے چودہ سو سال کا تجربہ اس کا شاہد ہے کہ مُسلمان کے ہر قتلِ عام کے بعد اسلام از سرِ نو اُبھرا ہے۔ بیرُونی حملوں نے مُسلمانوں میں ہمیشہ ایک نئی رُوح پھُونکی ہے۔ اَور اَب تک یہی دیکھا جا رہا ہے کہ ؎

قتلِ حُسین اصل میں مرگِ یزید ہے	اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ صرف میرا خیال نہیں بلکہ اکثر مبصرّین کی یہی رائے اَور اُن کا یہی کہنا ہے کہ ؎

اِسلام کی فِطرت میں قُدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

درحقیقت زوالِ مُسلم کی بُنیاد خانہ جنگیوں سے پڑی۔ اَور اِسی دَوران میں عقائدِ باطلہ نے پیدا ہو کر ان خانہ جنگیوں کو خوب ہوا دی اَور ان کو ایسا مستحکم کر دیا کہ یہی خانہ جنگیاں دَورِ کمالِ عرُوجِ اِسلام ختم کر کے مستقل زوال کا باعث ہو گئیں۔ میرے اِس اچھوتے دعوے سے ممکن ہے کہ آپ کو حیرت ہو مگر حالات جب آپ کے سامنے رکھے جائیں گے تو آپ کو میرا دعوے تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ آپ از خود کہہ اُٹھیں گے کہ واقعی مسلمان کا مستقل زوال ان عقائدِ باطلہ ہی کی پیداوار ہے اَور زوال کی پُوری ذمہ داری ان عقائدِ باطلہ اَور ان کے قائدین ہی پر عائد ہوتی ہے۔

اِسلام کے تین دَور

اِسلام پر ان پونے چودہ سو برس میں ۲ دَور گزر چکے ہیں۔ اَور اَب مدت سے وُہ تیسرے دَور سے گزر رہا ہے۔ پہلا دَورِ کمالِ عرُوجِ اسلام کا تھا جو خلافتِ راشدہ کے اختتام سے

پہلے ہی ختم ہو گیا۔ بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کمالِ عرُوجِ اِسلام کا دَور ختم ہوا اَور خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں۔ جو سیّدنا امام حُسین شہیدِ کربلا کی شہادت کے کچھ دنوں بعد تک جاری رہیں۔ انہیں خانہ جنگیوں کے دوران میں عقائدِ باطلہ کا دَور شروع ہوا۔ اَور اِسی دَور میں عقائدِ باطلہ پروان چڑھے۔ سیّدنا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو سارا دَورِ خلافت خانہ جنگیوں میں ہی ختم ہوا۔

اِن خانہ جنگیوں کی بدولت دُنیائے اسلام ایک بڑے مدبّر (حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ) کے حُسنِ تدبیر سے اَور اس دَور کے شریعت و طریقت کے سب سے بڑے اِمام کی تعلیم و تربیت سے اَور سب سے بڑے اِسلامی بہادر کی دادِ شجاعت سے اَور سب سے بڑے قاضیِ شرع کے فیصلوں کی بہترین اشباہ و نظائر سے محرُوم ہی رہی۔ افسوس! سیّدنا عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دَورِ خلافت اگر اَور دس سال بڑھ جاتا، یا جناب شیرِ خدا ان خانہ جنگیوں میں نہ اُلجھا دیئے جاتے تو غالباً دُنیا کی ہر بلندی اَور ہر پستی پر پرچمِ اسلام لہرا چکا ہوتا۔ اِس خاکدانِ عالم کی کوئی چھوٹی بڑی آبادی اَور یورپ و ایشیا کی کوئی وادی نہ بچی ہوتی جس پر خدائے واحد کا نام نہ پکارا جا چکا ہوتا۔

مگر ہُوا وُہ جو ربّ العزّت کو منظور تھا کہ آخر دورِ عثمانی میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اَور ان خانہ جنگیوں سے دَورِ کمالِ عرُوجِ اِسلام ختم ہو کر ایک دُوسرا دَور شروع ہو گیا جس میں مُسلمانوں کا عرُوج و زوال دونوں ساتھ ساتھ چلے۔ یہ دَور بھی صدیوں تک چلتا رہا کہ اِسلام دُنیا میں پھیلتا بھی رہا اَور مُسلمان آپس میں لڑتا بھی رہا۔ اَور اس سارے دَور میں بد اعتقادی پھُولتی پھلتی رہی۔ حتّٰی کہ تیسرا دَور جو مستقل زوالِ مُسلم کا دَور ہے شروع ہو گیا اَور اَب وُہ صدیوں سے چل رہا ہے۔ ہم اَور تم سب اَب اسی دَور سے گزر رہے ہیں۔ میری اِس کتاب کا موضوع خلافتِ راشدہ حضرت مولا علی شیرِ خدا ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

ابتدائے آفرینش کا ایک واقعہ

اُممِ سابقہ میں بھی اُمّتوں کے بننے اور بگڑنے کا مدار ہمیشہ ان کے عقائد کے بننے بگڑنے پر رہا ہے۔ اب بھی نہ صرف مُسلمان بلکہ ہر انسان کا بننا بگڑنا اُس کی خوش اعتقادی اور بداعتقادی پر موقوف ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے۔ بلکہ روزِ ازل ہی میں عدالت العالیہ کی اس پر ایک نظیر بھی ہوچکی ہے، جو اٹل ہے۔ ابتدائے آفرینش کا واقعہ تو تمہیں یاد ہی ہوگا کہ ربّ العزّۃ نے آدم علیہ السّلام کو دستِ قُدرت سے بنایا اور اُن کی پیشانی میں نورِ محمّدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) ودیعت فرمایا۔ اِس ودیعت سے اُس وقت کی کائنات میں حضرت آدم علیہ السّلام کو جو شرف حاصل ہوا اُس شرف کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ تمام فرشتوں کو حکم ربّ العالمین ہوا کہ آدم علیہ السّلام کو سجدہ کریں۔ فرشتے جو معصوم ہیں نافرمانی جانتے ہی نہیں سب نے بلا تامّل ہمارے باپ آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرلیا مگر شیطان جو اُس وقت فرشتوں کا اُستاد تھا سمٹ بیٹھا۔ اُس نے سجدے سے انکار کیا اور کہا:۔

"خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ" ط مجھ کو تُو نے آگ سے بنایا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اور یہ بھی کہا:۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔ میں تو آدم سے بہتر ہُوں۔

مطلب یہ تھا کہ میں کیوں سجدہ کرُوں۔

شیطان کا یہ فعل خُدا کی نافرمانی اور ایک نبی جلیل کی توہین کا مسئلہ تھا۔ ہمارا حلیم وکریم خُدا اپنی نافرمانی پر تو اکثر وبیشتر چشم پوشی ہی فرماتا رہا ہے مگر یہاں تو نبی جلیل کی توہین کا بھی معاملہ درپیش تھا جو بارگاہِ ربّ العزّۃ میں جُرمِ عظیم ہے۔ لہٰذا شیطان ایک نبی کی توہین

کی پاداش میں بہ یک بینی و دو گوش جنّت الفردوس سے نکال باہر کیا گیا۔ اس کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اُس کے سجدوں سے آسمانوں میں کوئی جگہ باقی نہ تھی۔ یہ ساری عبادت اُس کے منہ سے مار دی گئی اور اُس کے کُچھ کام نہ آئی۔ تو جو لوگ توہینِ سرکارِ رسالت علیہ افضل الثنآء والتحیۃ یا کسی بھی نبی اللہ کی توہین کو ہلکا سمجھتے ہوں اور انہیں اپنے لمبے لمبے سجدوں اور پیشانی کے گھٹوں پر ناز ہو اُنہیں ابلیسِ لعین کے اِس اندوہناک انجام سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ صرف توہینِ سرکارِ رسالت پر ابلیسِ لعین کی یہ دردناک سزا عدالتِ عالیہ کی سب سے پہلی نظیر ہے۔ اِس معاملہ میں ابلیس جیسے عابد وزاہد کی کوئی رعایت نہ ہوئی تو کسی اور کی کیا ہوگی۔

یاد رکھو اگر کسی نبی اللہ کی توہین کی یا توہین کو روا رکھا یا توہین کرنے والوں کو مسلمان ہی سمجھا تو تمہاری نماز اور ساری نیکیاں مُنہ سے ماردی جائیں گی۔ میں اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہُوں کہ وُہ اِس مرضِ متعدّی (توہین) سے الگ ہی رہیں۔

ابلیسِ لعین جیسا موحّد عابد پہلا جہنّمی ہوا تو شرک کر کے نہیں بلکہ نبی اللہ کی توہین کر کے وُہ جہنّم کے لیئے ابھی سے نامزد ہوگیا ہے۔ دُنیا بھر کے کافر، مُشرک، مُرتد، اِسی کے بہکانے سے واصلِ جہنّم ہوں گے۔ مگر جہنّم کا سردار وُہی مدّعی توحید ہوگا جو توہینِ سرکارِ نبوّت کی پاداش میں واصلِ جہنّم ہوا ہے۔ سب سے پہلے یہ مدّعی توحید۔ مگر ملزمِ توہین ہی جہنّم میں ٹھونسا جائے گا۔ انبیاء کرام کی توہین ایسا جُرمِ عظیم ہے۔

یہیں سے مخلُوقاتِ الٰہی کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک تو انبیاء علیھمُ السّلام کی عزّت کرنے والا۔ وُہ فرشتوں کا گروہ تھا جو مقرّبانِ بارگاہِ الٰہی میں رہا اور ہمیشہ مقرّب ہی رہے گا۔ دُوسرا گروہ انبیاء کرام کی توہین کرنے والوں کا، جو راندۂ درگاہِ الٰہی ہوا۔ اور جب ہی سے وُہ جہنّم کے لیئے اور جہنّم اس کے لیئے ہے۔

وُہ سیّدنا آدمؑ اور اُن کی اولاد کا بدترین دُشمن ہوگیا ہے۔ اُس نے زمین پر آکر اولادِ آدم کو دھوکہ دینا اپنا مقصدِ حیات بنالیا ہے۔ چنانچہ اُس نے سب سے پہلے ہمارے باپ

آدم علیہ السّلام کو وسوسہ میں ڈالا۔ اُن کو دانۂ گندم کھلوا دیا تو وُہ بھی مصلحتِ خُداوندی سے زمین میں اُتار دیئے گئے اَور تین سو سال تک وُہ اور ہماری ماں حوّا ساری زمین میں سرگرداں پھرتے پھرے۔ جب اُنہوں نے بوسیلۂ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم دُعا مانگی تو دُعا قبول ہُوئی اَور لغزش مُعاف ہوئی۔ وُہ دونوں بھی بحکم رب العالمین زمین ہی میں رہنے لگے۔

جیسے ہی اُن کی اَولاد کا سِلسلہ شروع ہوّا، اُسی وقت سے شیطان کے لِئے کام کا میدان تیار ہو گیا۔ اَب شیطان کا جذبۂ اِنتقام بھڑکا۔ اُس نے سیّدنا آدمؑ کی اَولاد کو بھڑکانا شروع کیا جو اُس کی میٹھی مُراد تھی کہ "مَیں آدم علیہ السّلام کی بدولت جنّت سے نکالا گیا ہُوں تو اولادِ آدم بھی میرے ساتھ جہنّم کا اِیندھن بنے۔ وُہ بھی جنّت کی بُو نہ سُونگھنے پائے۔"

آدم (علیہ السّلام) سے عیسیٰ (علیہ السّلام) تک

حِکمتِ الٰہی اِس امر کی پہلے ہی سے مقتضی تھی کہ اَولادِ آدم کو شیطان کے مکر و فریب سے بچایا جائے۔ اِس کام کے لِئے انبیاء علیہمُ السّلام منتخب ہُوئے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السّلام ہی سے یہ کام لیا گیا۔ اُن کے بعد اُن کی اَولاد میں سِلسلۂ نبوّت جاری ہوّا۔ ہر زمانے اَور ہر دَور میں انبیاء کرام آتے رہے اَور دُنیا کو شیطان کے مکر و فریب سے باخبر کرتے رہے۔ تو جن اِنسانوں پر شیطان کا داؤں چل گیا وُہ انبیاء علیہمُ السّلام سے بدگمان ہو گئے۔ انہیں نے انبیاء علیہمُ السّلام کی توہینیں کیں اَور اُن کی مخالفتیں کیں۔ غرض کسی نے اُن کا دِل دُکھایا اَور کسی نے اُنہیں ایذا دی۔ اَور بعض انبیاء کرام تو اِس شیطانی گروہ کے ہاتھوں شہید بھی ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

پچھلی اُمت کے کافروں اَور بدعقیدہ لوگوں کے ہاتھوں انبیاء کرام بہت ستائے گئے ہیں۔ اَور غضبِ قہّار جب متحرّک ہوّا ہے تو یہی کفّار اَور بدعقیدہ لوگ تباہ و برباد بھی کر دیئے گئے۔ اُمتیں کی اُمتیں صفحۂ ہستی سے میٹ دی گئیں۔ آسمان سے پتّھر برسے اور

زمین و آسمان سے طوفان اُٹھے۔ آبادیاں اُلٹ دی گئیں۔ اچانک موت نے آگھیرا۔ انسان سے بندر بنا دیئے گئے۔ وُہ بھی اپنے حالِ زبوں پر رو رو کے مر گئے۔ غرضیکہ خُدا کے محبُوبوں کی عداوت میں دُنیا اِسی طرح بارہا تباہ ہو چکی ہے۔

اُسی توہین و بداعتقادی کی وبا آج کل اُمّتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم میں پھیل رہی ہے۔ یہ سب شیطانی تعلیم ہے۔ شیطان روزِ ازل ہی سے شِرک، کفر، اِرتداد اَور فسق و فجور کو بہت دلفریب اَور دیدہ زیب کر کے اِنسان کے سامنے پیش کرتا رہا ہے۔ اِنسان جو شو کا متوالا ہے وُہ اس میں پھنستا رہا ہے اِلّا ماشآءَ اللہ۔

انبیاء علیہمُ السّلام از سیّدنا آدم تا دَورِ مسیح علیہمُ السّلام دُنیا کو شیطان کے مکر و فریب سے برابر بیدار کرتے رہے۔ پھر بھی دُنیا اُس کے مکر و فریب میں پھنستی چلی گئی اَور اس کی سزا پاتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السّلام کا دَور آگیا۔ اُن کی شب و روز کی تبلیغ سے چند ہی آدمی مستفیض ہُوئے۔ اُن کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد ان آدمیوں میں بھی وُہ مذہبی جوش نہ رہا۔ تزلزل پیدا ہو گیا۔ رفتہ رفتہ وُہ وقت آگیا کہ دُنیا سے آسمانی تعلیم بالکل اُٹھ گئی۔ خداوندِ عالم کا صحیح نام لینے والے اس لمبی چوڑی دُنیا میں صرف چند مومن تھے جو کہیں کہیں دبے پڑے تھے۔ ساری دُنیا پر اُس وقت شیطان کا تسلّط تھا۔ دُنیا اُس وقت کُفر و شرک کی اندھیریوں میں گھری ہوئی تھی۔ شیطان اُس وقت پہاڑ کی بلندی سے اکنافِ عالم پر نظر ڈالتا تو ہر طرف اپنا ہی تسلّط پاتا۔ خوش ہوتا، بغلیں بجاتا۔

بعثتِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم

اِس کُفر و شرک کی دُھواں دھار فضا میں رب العِزّۃ نے اَپنے حبیب سیّدِ عالم و عالمیان مُحمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اپنا آخری پیغام قرآن پاک دے کر دُنیا میں بھیج دیا۔ آپ دُنیا میں تشریف لائے تو اُس وقت خُدائے واحد قدوس کی سچی عبادت

کرنے والے اس بھری پُری دُنیا میں صرف آپ ہی تھے اور ساری دُنیا خُدا کے دُشمنوں سے بھری پڑی تھی۔

آپ مکّہ میں پیدا ہُوئے۔ اور چالیس سال کی عُمر شریف تھی کہ آپ کے سر پر تاجِ نبوت رکھا گیا۔ مکّہ میں اُس وقت بُتوں کا دَور دَورہ تھا۔ وہاں کی اکثریّت بُت پرست تھی آپ نے بُتوں کے دَورِ حکومت میں پرستش کے لیئے خُدا کا نام پیش کر دیا۔ یہ وُہ نام تھا کہ جس سے بعض کفّارِ مکّہ کے تو کان تک آشنا نہ تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے بُت پرستی کا پول کھولا۔ اس پر مکّہ کے کافر مُشتعل ہو گئے۔ آپ کے اور آپ پر ایمان لانے والوں کے دُشمن ہو گئے۔ آپ کو اور مُسلمانوں کو کفّارِ مکّہ سخت ایذائیں دیتے۔ ہر وقت درپئے آزار رہتے۔ اس پر بھی مُسلمانوں کی تعداد برابر بڑھتی ہی رہی اور کفّار کے غیظ وغضب میں بھی اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

جب وُہ اسلام کا پھیلاؤ کسی طرح نہ روک سکے اور نہ دیکھ سکے تو نوبت باینجا رسید کہ اُنہوں نے دارالندوہ میں جلسۂ مشاورت طلب کیا جس میں مکّہ کے سربرآوردہ لوگ اور حوالیِ مکّہ کے قبائلی سردار بُلائے گئے۔ اس کمیٹی میں ابلیسِ لعین بھی ایک بُوڑھے نجدی کی صُورت میں آ شامل ہوا۔ اور اُس نے خود کو نجد ہی کا باشندہ بتایا۔ اس مشاورت میں اس رائے پر سب متفق ہو گئے کہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو قتل کر دیا جائے تاکہ اسلام ہی ختم ہو جائے۔ شیخ نجد ابلیس لعین نے ابوجہل کی یہ رائے بہت پسند کی کہ مکّہ اور حوالیِ مکّہ سے ہر قبیلہ کا ایک ایک جوان قتل میں شریک ہونے کے لیئے اس لیئے چُنا گیا کہ بنو ہاشم تنہا اس قتل کا بدلہ تمام قبائل سے نہ لے سکیں گے۔

ہجرت

جس رات کے پچھلے حصّہ میں اس تدبیر پر عمل ہونا طے ہوا تھا رات ہی سے ان مجوّزہ

قاتلوں نے کاشانۂ نبوّت گھیر لیا۔ اُسی رات میں آپ کو مدینہ طیّبہ ہجرت کرنے کا حکم آ گیا۔ رب العزّۃ نے بھی کمال قدرت دکھانے کے لیئے اس نازک وقت کا انتخاب فرمایا۔ اور سرکارِ دوجہاں نے بھی تسلیم و رضا اور کامل بھروسہ کی اچھوتی مثال پیش کر دی۔ آپ خداوندِ عالم کے بھروسہ پر تن تنہا، نہتّے یٰس شریف کی حسب ذیل آیۃ پڑھتے ہُوئے کاشانۂ اقدس سے برآمد ہُوئے اور اس جھمگٹ میں ہو کر نکل گئے۔ آیۃ کریمہ یہ ہے:۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ٥

اور ہم نے اُن کے آگے دیوار بنا دی اور اُن کے پیچھے ایک دیوار اور اُوپر سے ڈھانک دیا تو اُنہیں کچھ نہیں سُوجھتا۔

آپ نے اُن کی ننگی تلواروں کی چمکتی باڑھیں دیکھیں۔ مگر وُہ سب ایسے اندھے ہو گئے کہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ آپ صاف نکلے چلے گئے۔

آپ نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اُن کے گھر سے ساتھ لیا۔ تین روز غارِ ثور میں قیام فرمایا اور وہاں سے مدینہ کو چل پڑے۔ چند ہی روز میں بخیریت مدینہ پاک پہنچ گئے۔ اِس سے کفّارِ مکّہ کا غیظ وغضب اور بھڑکا۔ ان کو اپنے مستقبل میں بڑے بڑے خطرے نظر آنے لگے کہ اسلام اگر عرب میں پھیل گیا تو ان سیکڑوں خداؤں کی خیر نہیں جو اس وقت مکّہ کو مُشرکینِ عرب کا مرکز بنائے ہُوئے ہیں۔ اور جن کی بدولت مکّہ عرب کا سب سے بڑا تیرتھ بنا ہوا ہے۔ اہلِ مکّہ نے اس خطرے سے سارے عرب کو بھی باخبر کر دیا۔ اسی بنا پر پہلے بدر و اُحد میں مُشرکینِ مکّہ سے اور پھر جنگِ احزاب میں سارے مُشرکینِ عرب سے مُسلمانوں کا ٹکراؤ ہوا۔ مُشرکین یا تو مارے گئے اور جو بچے وُہ ایمان لے آئے۔ پھر تو اسلام سیلاب کی طرح دفعۃً سارے عرب میں پھیل گیا۔

مگر اَب تک عرب کے یہُود و نصاریٰ نہ اسلام سے ٹکرائے تھے اور نہ اسلام ہی لائے تھے مُسلمانوں کو مدینہ آ کر یہُود سے واسطہ پڑا۔ اس واسطے کہ مدینہ اور اُس کے مضافات

میں کافی یہودی آباد تھے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں بھی یہودی آتے
اور جانچتے کہ آپ واقعی نبی آخر الزّماں ہیں جن کا تذکرہ تورات میں ہے، اور جن پر ایمان
لانے کی حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے سخت تاکید کی ہے۔ آپ جانچ میں پورے اُترتے مگر
وُہ فرقہ وارانہ تعصّب کی وجہ سے ایمان نہ لاتے۔ سرکارِ رسالت سے اور مسلمانوں سے سخت
عداوت رکھتے تھے۔ مگر وُہ مُسلمانوں سے مُشرکینِ عرب کا ٹکراؤ اور اُس کا انجام دیکھ چکے
تھے اس لئے مُسلمانوں سے مقابلہ کی جرأت ہی نہ کرتے۔ اپنی فطری عداوت کی وجہ سے
مُسلمانوں کے خلاف قبائلِ عرب کو اُبھارنے میں برابر اُن کا ہاتھ رہتا۔ اور یہ دورانِ
جنگ میں بھی برابر جاسُوسی کا کام کرتے رہتے تھے اس لئے مُسلمانوں نے جنگِ احزاب
کے بعد خداوندِ عالم کے حکم سے اس حرفِ علّت کو بھی گراہی دیا۔

جنگِ خیبر

یہودِ مدینہ کے بعد یہودِ خیبر کا بھی نمبر آگیا۔ حی ابنِ اخطب یہودی حاکمِ خیبر جو سرکارِ
دوعالم کے نبی آخر الزّماں ہونے کی قسم کھاتا تھا۔ اس واسطے کہ وُہ خود حاضر ہو کر مطمئن
ہولیا تھا برہنائے تعصّب ایمان نہ لایا بلکہ اس اطمینان کے بعد ہی کہ وُہی نبی آخر الزّماں
ہیں جن کی حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے خبر دی ہے، جنگ کی تیاریاں کرنے لگا تھا
آمادۂ پیکار ہونے والا ہی تھا کہ مسلمان اُس کے بدارادوں سے باخبر ہوگئے اور مسلمانوں
نے اُس پر لشکر کشی کر دی۔ دونوں طرف سے بہادروں نے خوب دادِ شجاعت دی
مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رات کو اعلان
کرادیا کہ میں کل صبح علَمِ جہاد ایسے شخص کے سپرد کروں گا جو خیبر فتح کر کے دم لے گا۔ حضرت
مولا علی شیرِ خدا چونکہ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے اُنہیں سرکار مدینہ ہی چھوڑ آئے تھے۔ یہاں
خیبر کی فتح رُکی پڑی تھی۔ اُدھر شیرِ خدا مدینہ میں صبر نہ کر سکے اور اُسی صبح کو خیبر پہنچ گئے۔

چُنانچہ سرکار نے آپ کی دُکھتی آنکھوں میں لُعابِ دہنِ اقدس لگا دیا اور علَمِ جہاد آپ کے
سپرد فرما دیا۔ حضرت مولا علی شیرِ خدا نے اپنی خُداداد شجاعت سے خیبر فتح کر ڈالا۔

فتحِ خیبر سے عرب میں یہود کی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ پھر تو اسلام سارے عرب میں
پھیل گیا۔ عرب کے تین طرف سمندر تھا۔ اور عرب اُس وقت دو عیسائی حکومتوں اور
ایک آتش پرست حکومت سے گھرا ہوا تھا۔ افریقہ اور روم کی دونوں حکومتیں عیسائی
تھیں اور حکومتِ ایران آتش پرست تھی۔ سمندر تو اسلام کے فروغ کی خوشی میں لہریں
لیتا رہا مگر اسلام کے اِن تینوں ملکوں کی سرحدوں تک دفعۃً پھیل جانے سے ان تینوں
حکومتوں کو اپنے مستقبل میں بڑے بڑے خطرے محسوس ہونے لگے۔ وُہ یہ سمجھے کہ اگر اسلام
کا سیلاب ہماری حکومتوں کی طرف بڑھا تو وُہ ہماری حکومتوں کو بھی بہالے جائے گا۔

اُن کا یہ خیال اس وقت دُرست ہی تھا اس واسطے کہ اُس وقت کا مُسلمان اخلاقِ
کریمہ کا ایسا پیکر ہوتا تھا کہ اُسے دیکھ کر لوگ خود بخود اسلام قبول کرنے لگتے تھے مُسلمان کے
حُسنِ اخلاق کی وجہ سے اس وقت کے سمجھدار متعصّب کافر چوکنّا رہتے تھے اور مُسلمانوں
سے اپنے عوام کی حفاظت کرتے تھے کہ مبادا مسلمان کے میل جول اور بات چیت سے کہیں
ان میں اسلام سرایت نہ کر جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان جن ملکوں میں صرف بسلسلۂ
تجارت آتے گئے اور اُن ملکوں پر مسلمان نے کبھی لشکر کشی نہ کی اُن میں بھی اسلام پھیل
ہی گیا۔ غرضیکہ اس اندیشہ نے عرب کی اِردگرد کی حکومتوں کو بہت چوکنّا کر دیا تھا۔ اپنی
اپنی جگہ وُہ سب اسلام کے ختم کرنے منصُوبے بنانے لگی تھیں۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک لشکر ملک شام کی طرف روانہ فرمانے کا
ارادہ فرمارہے تھے کہ آپ کو سفرِ آخرت درپیش ہوگیا۔ آپ اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ
نہ پہنا سکے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حکومت کے بڑے نازک دور میں سرکار
کے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنایا۔ اس لشکر کی فتوحات سے ان حکومتوں کے کان کھڑے

ہو گئے اور سب نے اپنی تیاریوں میں بہت تیزی کر دی۔

سیدنا عمرؓ کا دورِ خلافت اور کفر کا سیلاب

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت جلد ہی گزر گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آغازِ دورِ خلافت میں ان کے بد ارادوں کی جب خبر ہوئی تو آپ نے ملک کی حفاظت کے پیشِ نظر اپنی سرحدوں کو فوجی پڑاؤں سے مضبوط کر دیا۔ فارس، افریقہ اور ہرقلِ اعظم کی حکومتیں تو پہلے ہی مسلمانوں پر خار کھائے بیٹھی تھیں جب انہوں نے سرحدوں پر اسلامی فوجوں کی نقل و حرکت دیکھی تو یکے بعد دیگرے یہ تینوں حکومتیں مسلمانوں پر پل پڑیں۔

یہ وہ وقت تھا جب مٹھی بھر عربوں کو دُنیا کی تین بڑی طاقتوں سے دست و گریباں ہونا پڑا تھا۔ اُس وقت ایک طرف مسلمان تھا اور دُوسری طرف ایک دُنیا تھی جو اسلام اور مسلمان کو مٹانے کے لیے اُمڈی چلی آ رہی تھی۔ واہ ری جاں بازی و سرفروشی ، واہ رے تدبّر، واہ ری جنگی قابلیّت، واہ ری شجاعت، قابل جرنلوں نے ایسے حُسنِ تدبیر سے کام لیا کہ وہ برابر اپنے حریفوں کو دباتے چلے گئے۔ اِدھر مرکز سے خوراک اور سامانِ جنگ نیز کمک کی ایسی فراوانی رہی کہ مسلمان سپاہی کا بڑھنے والا قدم کہیں نہ رُکا۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے اور سونے پر سہاگہ تھے۔ آپ مدینہ میں رونق افروز تھے اور تینوں محاذوں پر آپ کی یکساں نظر تھی۔ ہر محاذ میں آپ ہی کے احکام پر عمل ہوتا۔ نیز سانڈنیوں کی ڈاک ہر محاذ اور مدینہ کے درمیان چلتی رہتی۔ ہر فوجی افسر آپ ہی سے پیش قدمی کی اجازت لیتا۔ آپ جس شہر پر حملہ کے احکام جاری کرتے اُسی شہر پر اسلامی فوجیں جھک پڑیں۔ لڑنے والوں نے ضرور جان کی بازی لگا دی۔ مگر امیر المومنین سیدنا عمر کا نظم بھی ایسا نفیس تھا کہ ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے اور کوئی رکاوٹ نہ ہوئی۔

اُس وقت کا مسلمان ایک شیر تھا اور دُنیا بھر کی طاقتیں اُس کی نگاہ میں بھیڑ بکری کے گلّہ سے زیادہ نہ تھیں۔ دُشمن کی کثرت سے اُس کا جوہرِ شجاعت اور بھڑک جاتا تھا ایران کے آتش پرستوں اور یورپ و افریقہ کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو ختم کر دینے کی کوشش میں کوئی کمی نہ کی ۔ مگر پھر بھی اس جوشیلے مسلمان سے جنگ کرنے کا جو نتیجہ نکلا وہ دُنیا نے دیکھ لیا۔ فارس و افریقہ کی دونوں حکومتوں کو مسلمانوں نے دورِ خلافت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ختم ہی کر دیا اور ہرقلِ اعظم کی حکومت سے شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک کا سارا علاقہ چھین کر اُسے سرحدِ یورپ تک دھکیل دیا۔ یہ وہ حیرت انگیز فتوحات تھیں، جنہیں دیکھ کر دُنیا تو ششدر رہ گئی اور صفِ ملائکہ بے اختیار پکار اُٹھی۔ زندہ باد مجاہدینِ اسلام زندہ باد۔ زندہ باد عمر خلیفہ خیر الانام زندہ باد۔ اِسلام پائندہ باد۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشین گوئیاں

دورِ سرکارِ رسالت کی طرف پھر آیئے۔ جنگ احزاب کے بعد (جو ۵ھ میں ہوئی تھی) چھوٹی چھوٹی جھڑپیں اور بھی ہوئیں۔ مگر کفّارِ مکہ جنگِ احزاب کے بعد پھر کبھی نہ اُبھر سکے مسلمانوں سے لڑ کر انہیں بدر و اُحد اور جنگِ احزاب میں جو تلخ تجربات ہوتے تھے اُن سے سارے مشرکینِ عرب کے جوش ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ جنگِ احزاب کے بعد کشت و خون کا وہ گھمسان نہ رہا جو کسی کام کی مُہلت ہی نہ دیتا۔ اب سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اسلام کی تعلیم اور مسلمانوں کی تربیت کا کافی موقع مل گیا۔ آپ کے فرمۂ کرم پر تو مسلمانوں کو

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

کا مصداق بنانا تھا کہ مسلمان دُنیا کو سدھارنے کے قابل ہو جائے۔ لہٰذا سرکار نے چند ہی روز میں مسلمانوں کو دین کی مکمل تعلیم دے دی۔ آپ نے مُسلمانوں کو عبادات، معاملات، معاشرت، تہذیب، تمدّن اَور حُسنِ اخلاق کے اعلیٰ اصول سکھائے اَور جہانبانی و دارائی کے بہترین طریقے بتائے۔ فوجداری و مال و دیوانی کے جھگڑے چکانے میں عدل و انصاف کے طریقے تعلیم فرمائے۔ عبادت و ریاضت کے صحیح اصول بتائے۔ غرضیکہ مسلمانوں کو ہر طرح شاہراہِ ترقی پر لاکر کھڑا کر دیا۔ چونکہ یہ سب کچھ رہتی دُنیا کے لیے ہو رہا تھا لہٰذا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آنے والے حوادث سے بھی اِسلامی دُنیا کو باخبر کر دیا تاکہ مُسلمانوں کی آنے والی نسلیں کسی اچانک حادثہ سے سراسیمہ نہ ہوں۔ نہ دھوکہ کھائیں۔ آپ نے مسلمانوں کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ:-

ستفترق امتی ثلث وسبعون فرقة کلها فی النار الا واحدة

میری امت تہتّر گروہوں پر بٹ جائے گی ایک کے سوا سب جہنمّی ہوں گے۔

اَور اس اجمال کی کبھی تفصیل بھی موقع بہ موقع فرماتے رہے۔ فرماتے ہیں:-

یأتون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاهم لا یضلونکم ولا یفتنونکم اخرجه مسلم

آخر زمانے میں جھوٹے دجال آئیں گے تم پر ایسی باتیں پیش کریں گے کہ تم تو تم ہو تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سُنی ہوں گی۔ اُن سے بچو اَور اُن کو دُور ہی رکھو تمہیں گمراہ نہ کر دیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اِس پیش گوئی میں سرکار نے آخر زمانے میں دجالوں کے آنے کی خبر دی ہے اور ان سے دُور رہنے کا حکم دیا ہے کہ کہیں تمہیں بہکا نہ دیں۔ اَور جس فرقہ سے اِسلام کو زیادہ نقصان پہنچنے والا تھا اپنے خداداد علم سے اُس کے تفصیلی حالات اَور بعض خصوصیات بلکہ فطری جذبات تک بتا دیئے۔ ایک روز آپ دربارِ رب العزّۃ میں دُعا فرما رہے تھے:-

اللّٰھم بارك لنا فی شامنا اللّٰھم بارك لنا فی یمننا... الخ

اَے اللہ تُو برکت دے ہمیں ہمارے شام میں اَے اللہ تو برکت دے ہمیں ہمارے یمن میں

بعض حاضر الوقت صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وفی نجدنا یعنی اِس دُعائے خیر و برکت میں نجد کو بھی شامل فرمالیجئے۔ آپ نے شام و یمن کے لئے بار بار دُعا فرمائی اَور ان صحابی نے نجد کو شاملِ دُعا فرمانے کا ہر بار اصرار کیا۔ آپ نے نجد کو شاملِ دُعا نہ فرمایا بلکہ ختمِ دُعا کے بعد ان کی طرف متوجہ ہو کر نجد سے نفرت و بیزاری کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔

هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان

اس جگہ (نجد میں) زلزلے و انقلاب آئیں گے اَور فتنے اُٹھیں گے اَور وہیں سے شیطان کی سنگت ظاہر ہوگی۔

نجد سے فتنوں کا اُٹھنا اَور (دین میں) زلزلے آنا اَور وہیں سے شیطان کی سنگت کا ظاہر ہونا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیائے اِسلام کو بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان نے دار الندوہ میں اپنا وطن بھی نجد ہی بتایا تھا۔ اِسی بنا پر وُہ دار الندوہ میں شیخِ نجدی ہی کہلایا۔ اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں ایک روایت اِن الفاظ سے نقل کی ہے:-

کان یری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابلیس فی صورۃ الشیخ النجدی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شیطان کو جب کبھی دیکھا تو شیخِ نجدی ہی کی صُورت میں دیکھا۔

غرضیکہ شیطان کا شیخ نجد ہونا ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ اَور نجد کی تاریخ بھی ابتدائے اِسلام سے آج تک یہ بتاتی ہے کہ نجد اس کا بڑا موزوں وطن تھا۔ اِس لئے کہ وہاں علماء و اولیائے کرام کی بڑی کمی رہی ہے۔ اِسی وجہ سے نجد کا نام صدیوں تک حجابِ گمنامی میں رہا۔ وُہ تو نجد میں اگر لیلیٰ مجنوں نہ پیدا ہو جاتے تو شاید کوئی واقف بھی نہ ہوتا کہ نجد بھی جزیرۃ العرب

کا کوئی حصہ ہے۔ نجد کی شہرت پہلے تو لیلیٰ مجنوں سے ہوئی۔ پھر اُس کی مزید شہرت کا دروازہ اَب تیرھویں صدی کے آغاز میں کھلا جب کہ حسبِ ارشاد سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرن الشیطان کا وہاں سے ظہور ہُوا۔ دُنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ پہلے حرمین شریفین میں ابن عبدالوہاب اَور اُس کے گروہ کے نادرشاہی قتلِ عام سے اَور پھر اُس کے وطن نجد سے واقف ہوگیا۔ ابنِ عبدالوہاب کی اَور اُس کے گروہ کی خُوں ریزی اَور سفّاکی نے نجد کو تاریخِ عالم میں جگہ دِلوادی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ بار بار، طرح طرح سے اس نجد سے اُٹھنے والے فتنے کی خبر دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ کئی بار اپنے خطبوں میں آپ نے فتنہ کی سمت بتائی ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سُنیئے :۔

عن ابنِ عمر رضی اللہ عنهما انه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وهو مستقبل المشرق یقول الا ان الفتنة ههنا حیث یطلع قرن الشیطان ۔ بخاری

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے خود سُنا جب کہ رُخِ انور سرکار کا پُورب کو تھا، فرما رہے تھے۔ بیدار ہو جاؤ کہ فتنہ اس جگہ ہے۔ یہاں سے شیطان کی سنگت ظاہر ہوگی۔ بخاری

یہی حضرت عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہما سرکارِ دوعالم کا ایک فرمان یُوں بھی روایت کرتے ہیں :۔

عن عبداللہ ابن عُمر قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی المنبر فقال ههنا ارض الفتن واشار الی المشرق حیث یطلع قرن الشیطان ۔ اخرجه الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ ہم میں سے اٹھ کر سرکارِ دوجہاں ممبر شریف پر رونق افروز ہُوئے اور پورب[1] کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہے سرزمینِ فتنہ، یہیں سے شیطان کی سنگت ظاہر ہوگی۔ (ترمذی شریف)

---

[1] جس طرف نجد ہے ۱۲

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِس فتنہ سے بچنے کے لیئے اِس گروہ کی بعض نشانیاں اَور اپنے وعظوں میں بعض حالات بھی بیان فرمائے۔ حضرت ابُوسعید خدُری نے کسی موقع پر اِسی فرمان کے ساتھ اِتنا اَور بھی سُنا :۔

یقرؤن القرآن لایجاوز تراقیهم یمرقون عن الدین کما یمرق السهم من الرمیة ثم لایعودون فیه حتی یعود السهم الی فوقه قیل ماسیماهم قال سیماهم التحلیق ۔ اخرجه البخاری

قرآن پاک پڑھیں گے مگر ان کے گلوں سے نہ اُترے گا دین سے اِس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر ان کا مسلمان ہونا ایسا ہی ناممکن ہوگا جیسے تیر کی واپسی اُوپر کو ہو۔ عرض کیا گیا اُن کی نشانی کیا ہے ارشاد فرمایا سر منڈا ہونا۔ بخاری شریف

بعض خلفاء راشدین نے بھی اس گروہ کے متعلق روایتیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ سیّدنا ابُوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔

وجاء فی حدیث عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنه ذکر فی بنی حنیفة قوم مسیلمة الکذاب وقال فیه ان وادیکم لایزال وادی فتن الی آخر الدهر لایزال فی فتن من کذابهم الی یوم القیٰمة وفی روایة ویل للیمامة ویل لافراق له۔

ایک حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت ابُوبکر صدیق رضی ہیں۔ اس روایت میں بنوحنیفہ قوم مسیلمہ کذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں بے شک ان کی وادی فتنوں کی وادی رہے گی آخر زمانہ تک اپنے کذاب کی بدولت یعنی روزِ قیامت تک (وُہ یہی وادی نجد ہے) ایک روایت میں ہے افسوس ہے یمامہ پر ایسا افسوس کہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

ابُوسعید خدُری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بخاری شریف میں ہے جو سیّدنا عمر خلیفہ دوم رضی کی آپ بیتی ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال بینما نحن عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو یقسم قسما اتاہ ذوالخویصرۃ وھو رجل من بنی تمیم فقال یارسول اللّٰہ اعدل فقال ویلک فمن یعدل اذا لم اعدل قد خبت وخسرت ان لم اکن اعدل فقال عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ائذن لی ان اضرب عنقہ فقال دعہ فان لہ اصحابا یحقر احدکم صلوٰتہ مع صلوٰتھم وصیامہ مع صیامھم یقرؤن القرآن لایجاوز تراقیھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔ اخرجہ مسلم فی صحیحہ وفی روایۃ من ضیضئ ھذا او عقب ھذا قومًا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم لوگ رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ (جعرانہ) میں مال تقسیم فرما رہے تھے (یہ غزوۂ حنین کا مالِ غنیمت تھا) اِس حالت میں قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص ذوالخویصرہ آیا اور بولا یارسُول اللّٰہ انصاف کرو تو سرکارِ دوعالم نے فرمایا کہ بدنصیب میں اِنصاف نہ کروں گا تو کون اِنصاف کرے گا اگر میں اِنصاف نہ کروں تو تو ٹوٹے میں رہے گا پس حضرت عُمر نے (جو وہاں موجود تھے) عرض کیا مجھے اجازت ہو تو میں اس کی گردن مار دُوں۔ سرکار نے فرمایا چھوڑ دو اس کی ایک ٹولی ہوگی جس کی نمازوں کے مقابلہ میں تم میں کا ہر ایک اپنی نمازوں کو حقیر جانے گا اور ان کے روزے کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر جانے گا (بظاہر روزے نماز کے بڑے پابند ہوں گے) قرآن پڑھیں گے جو (گلے سے) نیچے نہ اُترے گا وُہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

صحیح مسلم شریف۔ دُوسری روایت میں ہے اس کے گھرانے والے یا اس کے بعد والی قوم ایسی ہوگی۔

حضرت ابُوسعید خُدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی اِس روایت سے اس فرقہ کا نسب

معلوم ہوا اور دو اِنکشاف اور ہُوئے۔ ایک تو یہ کہ آج جو اِس فرقہ کی عادت توہین سرکارِ رسالت کی پڑگئی ہے یہ اُس کی کوئی نئی خصلت نہیں بلکہ اس فرقہ کے مورثِ اعلےٰ عبداللّٰہ ذوالخویصرہ تمیمی کی سنت ہے جو اُس کے ترکہ سے ان تک پہنچی ہے۔ دُوسرے یہ کہ اُن کا زہد وتقویٰ ایسا ہوگا کہ تم اپنے روزہ نماز کو ان کے روزہ نماز کے مقابلہ میں حقیر جانو گے۔ (اس کے مخاطب خلیفۂ دوم سیّدنا عُمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ہیں) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سیّدنا عُمر کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے جو اس وقت مصالح قدرت کے پیشِ نظر روک دی گئی۔ مگر باوجُود اس زہد وتقویٰ کے دین سے وُہ تیر کی طرح نکل ہی جائیں گے۔

حضرت مولا علی شیرِ خدا جیسے نفسِ قدسی بھی اِس گروہ کے بعض حالات سرکارِ دوعالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے خود روایت کرتے ہیں۔

قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول سیخرج قوم فی آخر الزمان حداث الاسنان وسفھاء الاحلام یقول من قول خیر البریۃ لایجاوز ایمانھم حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔ (اخرجہ البخاری)

فرمایا شیرِ خُدا نے کہ میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا ہے کہ عنقریب آخر زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی جو کم سن اور ناتجربہ کار (بے وقوف) ہوگی حدیث بیان کریں گے مگر اِیمان اُن کے نرخروں سے نیچے نہ اُترے گا دین سے ایسے نِکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نِکل جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

حضرت سہل ابنِ حنیف سے بُخاری شریف میں اور حضرت ابُوذر غفاری وحضرت عبداللّٰہ ابنِ عباس رضی اللّٰہ عنہم سے جو روایتیں ابنِ ماجہ میں مروی ہیں یہ سب روایتیں مِلتی جُلتی ہیں۔ حضرت سہل ابن حنیف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول یخرج قوم یقراء القرآن

میں نے خود رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا ہے کہ نکلے گی ایک قوم آخر زمانہ

وُہ اِس حدیث سیماھم التحلیق کی تصدیق کے لِئے ایسی سختی کرتا کہ جس مسلمان کو ڈرا کر یا لالچ دے کر اپنے نئے دین میں داخل کرتا اُس کا سر مُنڈا کر ہی دم لیتا۔ اُس کا کہنا یہ تھا کہ "یہ زمانۂ شرک کے بال ہیں ان کا مُنڈانا ہی ضروری ہے" حتّٰی کہ عورتیں بھی اِس شرط سے مستثنیٰ نہ تھیں۔ وُہ بھی وہابیت اِختیار کرتیں تو ان کے سر بھی زبردستی مُنڈا ہی دیئے جاتے اَور جو حج پہلے کر چکا تھا جب وُہ وہابیت کا بپتسمہ لیتا تو اُس سے دوبارہ حج کراتا کہ "پہلا حج حالتِ شرک میں ہوا ہے لہٰذا نہ ہوا۔"

ایک عورت سے جب سر مُنڈانے کو کہا تو اُس نے جواب دیا کہ تم اِس دین میں داخل ہونے والے مردوں کی داڑھیاں منڈواتے تو عورتوں کی چوٹیاں منڈانا مناسب ہوتا اِس واسطے کہ اسلام میں مرد کے لئے داڑھی اَور عورت کے لِئے چوٹی ایک ہی مرتبہ رکھتے ہیں۔ اِس اعتراض کا جواب ابنِ عبدالوہاب سے نہ بن پڑا تو عورتوں کا سر مُنڈانا چھوڑ دیا۔ یہ سچ ہے کہ سر مُنڈانا حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا کی سنت ہے مگر عملاً اُسے فرض کے برابر کر دینا دُوسری نشانیوں کے ہوتے ہوئے از جانبِ قدرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی دی ہوئی خبرِ غیب سیماھم التحلیق کی تصدیق ہی ہے۔

یہ لوگ اگر سنت کے دلدادہ ہوتے تو زیارتِ قبوُر کو شرک ہرگز نہ کہتے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تو زیارتِ قبوُر کا حکم دیا ہے۔ اِرشاد فرماتے ہیں:۔
انی نھیتکم عن زیارۃ القبور ان فزوروھا (ترجمہ "میں نے تم کو زیارتِ قبوُر سے روکا تھا بیدار ہو جاؤ پس زیارتِ قبوُر کرو)

یہ تو سرکار کا حکم تھا اَور عمل یہ رہا کہ خود سرکارِ دو جہاں اپنی والدۂ محترمہ بی بی آمنہ کی قبر پر قطع منازل (شدِ رحال) کر کے تشریف لے گئے۔ یہ وہی شدِ رحال ہے جسے کتاب التوحید اَور تقویۃ الایمان دونوں میں شرک لکھا ہے۔ العیاذ باللہ۔ حضرت انس بن مالک کی حسب ذیل روایت نے تو یہ سب جھگڑے ہی ختم کر دیئے۔ ابنِ عبدالوہاب

لایجاوز تراقیھم یمرقون من الاسلام مروق السھم من الرمیۃ۔
میں قرآن پڑھے گی مگر وُہ اُن کی گھاٹی سے نیچے نہ اُترے گا۔ اِسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت میں انہیں الفاظ پر اتنا اور اضافہ ہے:۔
یخرج فی آخر الزمان قوم حداث الاسنان وسفھاء الاحلام۔
آخر زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہو گی جو کم سن (ناتجربہ کار) اَور بے وقوف ہو گی۔

اِن روایات سے چند باتیں معلوم ہو گئیں۔ قرآن پاک اُن کے حلق سے نہ اُترے گا اَور باوجود بات بات پر حدیث پڑھنے کے دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس نے اتنا اَور بھی سُنا کہ یہ لوگ ناتجربہ کار اَور احمق ہوں گے۔ اِس گروہ کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے خطبوں میں اَور دربارِ رسالت میں اکثر و بیشتر ذکر رہا ہے۔ ایک مرتبہ صحابہ نے انہیں کے تذکرہ پر عرض کیا ماسیماھم یعنی اس گروہ کی علامت کیا ہے۔ ارشادِ سرکارِ رسالت ہوا سیماھم التحلیق یعنی ان کی نشانی سر مُنڈا ہونا ہے۔ یہ نشانی تو اس نجدی گروہ کے حق میں نصِ قطعی کا حکم رکھتی ہے۔ علامہ سیّد عبدالرحمٰن اھدل مفتی زبید فرماتے ہیں کہ اِس نشانی کے ہوتے ہوئے ابن عبدالوہاب کے کسی ردّ کی ضرورت نہیں۔

ابنِ عبدالوہاب نے وہابیوں کے جبریہ سر مُنڈا کے دنیائے اِسلام کو خود ہی بتا دیا کہ ان تمام پیش گوئیوں کا مصداق صرف وُہ ہے۔ اِس واسطے کہ دُوسرے فرقِ باطلہ میں سے کسی نے بھی سر مُنڈانے کا حکم نہ دیا، نہ سر منڈانے پر ایسی سختی سے عمل درآمد کیا کہ نیا مُرتد ہونے والا بغیر سر مُنڈائے اُس کی مجلس سے اُٹھا نہ سکتا تھا، کسی کافر کو مُسلمان کرنے کا تو اُس کا ارادہ ہی نہ تھا اَور نہ عرب میں اُس وقت کوئی کافر تھا وُہ تو مُسلمان ہی کو اپنے دینِ جدید میں داخل کرتا اَور مُرتد بناتا تھا۔

اور اس کے سارے گروہ کا معاملہ بالکل صاف کر دیا حضرت انس کا کہنا ہے کہ سرکارِ دوجہاں نے ارشاد فرمایا:۔

سیکون فی امتی قوم یدعون الی کتاب اللہ ولیس منا فی شیٔ۔

عنقریب میری اُمّت میں ایک قوم ظاہر ہوگی جو کتاب اللہ کی طرف بُلائے گی اور ہم سے اُس کا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

سرکار نے اپنے اِس فرمان میں قرآن پاک کی طرف دعوت دینا بھی اس گروہ کی خاص نشانی بتائی ہے اور اس گروہ سے اپنی بے تعلقی بلکہ علیحدگی کا صاف صاف اعلان بھی فرمادیا ہے۔

احادیثِ مذکورۂ بالا میں بار بار ایک ہی گروہ کا ذکر ہے۔ تمام احادیث کا فحوائے کلام یہی بتاتا ہے۔ اِس واسطے کہ سرکارِ دوعالم نے بارہا انہیں کے وطن کی سمت اور ان کے وطن کا نام پھر قبیلہ اور ان کی خاص نشانیاں بتائیں۔ جو اب تک دُنیا نے دیکھیں اور بارھویں صدی میں تو بالکل اُجاگر ہوگئیں۔ اب قیامت تک دُنیا دیکھتی رہے گی۔ اگر کسی دُوسرے گروہ کا ذکر ہوتا تو سرکارِ دوجہاں اُس گروہ کی بھی تصریح فرمادیتے اور ہے بھی یہی کہ جس قدر نشانیاں سرکار نے بیان فرمائیں وُہ سب بھی اِس ایک گروہ میں پائی گئیں۔

اِبن عبدالوہاب کی تعلیمات

شاید کسی کو کسی سے یہ کہنے کی اب بھی جرأت نہ ہوتی کہ وُہ گروہ تم لوگ ہو۔ اگر سرکارِ دوجہاں کی ترکِ موالات (بائیکاٹ) یعنی لیس منا فی شیٔ کا اِس گروہ کی طرف سے ترکی بہ ترکی جواب نہ دیا جاتا یعنی سرکاری ترکِ موالات کے مقابلہ میں اِدھر سے بائیکاٹ کا اعلان نہ ہوتا تو پہلے یہ حماقت ابن عبدالوہاب سے ہُوئی کہ اُس نے

اِس سرکاری اعلان (لیس منا فی شیٔ) کو اپنے ہی حق میں گالی سمجھا اور اپنی ہی شامتِ اعمال سے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دے دیا۔ اُس نے دُنیائے اسلام کو خود ہی بتا دیا بلکہ یقین دلادیا کہ (لیس منا فی شیٔ) ہیں سرکار کا رُوئے سخن اُسی کی طرف ہے۔ اِبن عبدالوہاب نے ساری کتاب التوحید میں لیس منا فی شیٔ ہی کا جواب دیا ہے۔ ملاحظہ ہو وُہ کہتا ہے:۔

ایھا المجانین لما لا تقولون یا اللہ و ھو معکم فای حاجۃ الی المجیٔ الی محمد والرجوع الیہ۔

اے پاگلو (مسلمانو) یا اللہ کیوں نہیں کہتے حالانکہ وُہ تمہارے ساتھ ہے۔ ایسی حالت میں محمّد کی طرف آنے اور ان کی طرف رُخ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ارشاد (لیس منا فی شیٔ) نے ابن عبدالوہاب کا دماغی توازن ہی بگاڑ دیا کہ اس کے سُنتے ہی چور کی داڑھی میں تنکا والا مضمون ہوگیا۔ اس نے اپنی ساری کتاب التوحید میں لیس منا فی شیٔ ہی کا جواب دیا۔ ابن عبدالوہاب کی ذہنیت کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے دو ایک عبارتیں بطور نمونہ یہاں نقل کردوں۔ اُس کی تو ساری کتاب اسی رنگ سے بھری پڑی ہے۔

اما السابقون فاللات والعزیٰ والسواع واما اللاحقون فمحمد وعلیا وعبدالقادر والکل سواء۔

اگلے کافر (کفارِ مکّہ) لات وعزیٰ وسواع (یہ تینوں نام بتوں کے ہیں) کو پُوجتے تھے اور یہ پچھلے کافر (مسلمان) محمد وعلی وعبدالقادر کو پُوجتے ہیں اور یہ سب برابر ہیں۔

یہاں والکل سواء دونوں کے ساتھ لگ سکتا ہے۔ اگر سابق ولاحق سے لگاؤ تو یہ معنی ہوں گے کہ دورِ سرکارِ رسالت کے کفارِ مکّہ اور ابن عبدالوہاب کے وقت کے مسلمانانِ عرب خصوصًا ساکنانِ حرمین طیبین معاذ اللہ کفر میں دونوں برابر ہیں اور اگر لات وعزیٰ وسواع سے لگاؤ تو ان بتوں کے مقابلہ میں اُس کے عقیدے میں اِدھر سرکارِ دوعالم

صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت مولا علی شیرِ خدا اور سیّدی عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں تو یہ معنی ہوئے کہ وُہ تینوں بت اور یہ تینوں محترم ہستیاں معاذ اللہ بُت ہونے میں برابر ہیں۔ اب تو ابنِ عبد الوہاب مذہبی گالیوں پر اُتر آیا۔ اور کیا کہتا بُت تک کہہ ڈالا اور مسلمانانِ عرب پر شرک کا لیبل لگا دیا ایسے ہی موقع پر کھسیانی بلّی کھنبا نوچے کی مثل صادق آتی ہے۔ یہ ہے ہندوستان کے وہابیوں مودودیوں کے لئے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ۔

اِبنِ عبد الوہاب اور اُس کا گروہ اکثر کہتا تھا:۔

حتی ان بعض اتباعہ وھو۔ یقول عصائی ھذہ خیر من محمد لانھا ینتفع بھا فی قتل الحیۃ ونحوھا و محمد قد مات ولم یبق فیہ نفع اصلاً

یہاں تک کہ وُہ اور اُس کے پیرو کہتے تھے کہ ہماری یہ لکڑی بہتر ہے (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے اس لئے کہ یہ سانپ مارنے میں کام آتی ہے اس کے اور بھی کام ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تو وفات پاگئے اُن سے کوئی نفع نہ رہا۔

اور یہ بھی کہتا تھا:۔

انما ھو طارش وقد مضٰی

وُہ ڈاکیہ جیسے تھے اور گزر بھی گئے۔

تقویۃ الایمان

یہ تو کتاب التوحید کے چند نمونے تھے۔ نجدی کی دیکھا دیکھی میاں اسمٰعیل صاحب دہلوی نے بھی اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں اس نجدی والے ترکِ موالات کی بڑی تائید کی اور جگہ جگہ اس ترکِ موالات پر زور دیا ہے حتیٰ کہ اس ترکِ موالات کی حمایت میں قرآن پاک کی کھلم کھلا مخالفت کی ہے۔

اَب تقویۃ الایمان کے بھی چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

مولوی اسمٰعیل صاحب کا کہنا تقویۃ الایمان میں

ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا خدا کے آگے چوڑھے چمار سے زیادہ ذلیل ہے [1] اُسی تقویۃ الایمان میں ہے "اللہ کی شان بہت بڑی ہے سب انبیاء اور اولیا اس کے رُوبرو ایک ذرّہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں"

خُداوندِ عالم کا فرمان قرآن پاک میں

للّٰہ العزّۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لایعلمون ○

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول اور مسلمانوں ہی کے لئے عزّت ہے لیکن مُنافق لوگ جانتے نہیں۔

اس مذکورہ بالا آیت کو دیکھئے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کی ان دو ہی عبارتوں کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ کریم کے ساتھ جن کی عزّتوں کا اعلان فرما رہا ہے یہ اُن سب کو خواہ انبیاء و مُرسلین ہوں یا اولیاء کاملین ہوں یا علماء و صلحاء ہوں معاذ اللہ ان کو چوڑھے چمار سے زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے کم تر بتا رہے ہیں اور اُن کے سارے اُمتی خواہ وُہ غیر مقلّد ہوں یا وہابی، دیوبندی ہوں یا جماعتِ اسلامی والے مودودی یہ ان سب کا راسخ عقیدہ بن گیا ہے۔ ورنہ علماء اہلِ سنّت کی طرح اس عقیدہ کے خلاف ان کی کوئی آواز تو اُٹھتی نہ کہ ان کی ان حماقتوں پر جگہ جگہ مناظرے اور ہر جگہ سختی سے ان بانیانِ توہین کی حمایت ہو رہی ہے۔

ہم نے اِس آیت اور مولوی اسمٰعیل صاحب کی عبارت میں تطبیق کر کے جو مطلب نکالا ہے۔ وُہ یہ ہے کہ عزّت اللہ تعالیٰ کے لئے اور انبیاء و رُسل علیہ السّلام کے لئے

---

[1] مطلب یہ ہوا کہ چوڑھے چمار اور ذرّہ ناچیز عزّت و وقار میں اُن کے عقیدہ میں انبیاء و مُرسلین سے زیادہ ہیں۔ یہ ہے وُہ بات جو ہم نے تو کیا ہمارے تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سُنی ہوگی۔ وہابی اور مودودی اسی تعلیم کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ موقع امتحان کا ہے۔ اِس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے ہماری محبّت اور اِسلامی غیرت کا امتحان ہے۔ اگر ان شاتمانِ رسالت سے میل جول رکھا اور شیر و شکر رہے تو اللہ و رسُول سے ناتا ٹوٹ گیا۔ ۱۲

ہے اور اُن پر ایمان لانے والوں کے لئے اب چوڑھے چمار اور ذرّہ ناچیز سے کمتروں کی فہرست میں کفار رہ گئے اور اس عقیدہ کے لوگ رہ گئے چھوٹے بڑے کی تفصیل بھی انہیں میں کرلی جائے گی۔ یوں قرآن پاک کی اس آیت اور تقویۃ الایمان کی عبارت میں تطبیق ہو سکتی ہے اور دونوں اپنی جگہ صادق آسکتی ہیں۔

سرکاری[1] اعلان ہے مولوی اسمٰعیل صاحب بھی اُسے اپنے ہی حق میں گالی سمجھے اُسی پرؤہ بھی بل کھاگئے اور غیظ وغضب میں آگئے۔ انہیں بھی اُس سرکاری اعلان سے ایسا سخت صدمہ ہوا کہ اُن کے حواس باختہ ہوگئے۔ اُن سے بھی غصہ میں وُہی حرکتیں سرزد ہوئیں جو ابنِ عبدالوہاب کر گزرا تھا۔ اُنہوں نے بھی اپنی ساری کتاب تقویۃ الایمان میں اُسی سرکاری اعلان لیس منافی شیٔ کا جواب دینے کا التزام کیا ہے۔ آپ تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں:-

"جس کا نام محمدؐ یا علی ہے وُہ کسی چیز کا مختار نہیں۔"

مولوی اسمٰعیل صاحب ابنِ عبدالوہاب یا سیّد احمد کی طرح کم پڑھے یا بے پڑھے تو نہ تھے۔ مگر غصّہ میں آپ بھی آپے سے باہر ہوگئے اور اس معاملہ میں ابوجہل سے بھی بڑھ گئے۔ ابوجہل نے اپنے ہاتھوں کی کنکریوں سے کلمہ طیبہ سُن کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اثر و اقتدار کو بلکہ اُس اختیار کو اعجازِ نبوّت نہ مانا، جادو بتایا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تو سرے سے اختیار ہی کا انکار کردیا۔ یہ تو عداوتِ سرکارِ رسالت میں ان حسابوں ابوجہل سے بھی بازی لے گئے۔ اور جوشِ غضب میں ربّ العزّۃ کے ایسے مشہور فرمان کو اُنہوں نے نظر انداز کردیا یا غصّہ میں بھول گئے کہ جسے پڑھا بے پڑھا ہر مسلمان جانتا ہے اور مانتا ہے تقویۃ الایمان کی مذکورہ بالا عبارت کو اور اس فرمانِ ربّ العزّۃ کو دیکھیے:-

واذ قال ربك للملئكة انی جاعل	اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے
فی الارض خلیفه قالوا اتجعل فیها	فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں

[1] ارشاد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم

من یفسد فیها ویسفك الدماء و	بولے کیا تو ایسے کو نائب کرے گا جو اُس میں
نحن نسبح بحمدك ونقدس لك	فساد پھیلائے اور خوں ریزیاں کرے۔ اور
قال انی اعلم ما لا تعلمون ٥	ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری

پاکی بولتے ہیں فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

یہ آدم علیہ السّلام کے پیدا ہونے سے پہلے ربّ العزّۃ نے فرمایا تھا جس میں سیّدنا آدم علیہ السّلام اور ان کی اولاد امجاد کی خلافت کا اعلان فرمایا تھا۔ خود آدم علیہ السّلام اور ان کی اولاد میں جس قدر انبیاء کرام ہوئے وُہ سب خلیفۃ اللہ فی الارضین ہوئے یہ قرآن پاک کی آیت ہے اور اس کا واقعہ اس قدر مشہور ہے کہ پڑھے لکھے تو پڑھے ہوئے ہیں سُنا سُنایا بے پڑھے مسلمان بھی عمومًا جانتے ہیں کہ انبیاء کرام کو ربّ العزّۃ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

تشریحِ خلافت

خلیفہ کے معنی قائم مقام اور جانشین کے ہیں۔ اور رقبہ خلافت میں خلیفہ کا با اختیار ہونا لفظ خلیفہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ انگریزی دَور میں نائب السلطنت یا خلیفہ دولتِ برطانیہ وائسرائے ہوتا تھا تو وُہ جہاں بانی و دارائی کے بہت سے اختیارات رکھتا تھا۔ اگر اختیارات نام کو نہ ہوں تو خلافت کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تو سیدالانبیاء والمرسلین ہیں۔ اور اس زمین میں ربّ العزّۃ کے خلیفہ اعظم ہیں تو اختیارات بھی تمام خلفاء سابقین سے زیادہ ہی رکھتے ہوں گے۔ اُن کی نسبت مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کا جھنجھلا کے یہ کہنا کہ "جس کا نام محمدؐ یا علی ہے وُہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ یہ اُسی لیس منافی شیئ کا جواب نہیں تو کیا ہے۔ غم و غصّہ میں ایسے حواس جاتے رہے کہ خلافتِ ربّانی کے منصب ہی

کو بھول گئے۔

دُوسری بدحواسی یہ کی کہ سیّدنا مولیٰ علی کا نامِ نامی بلاوجہ شامل کرلیا جس سے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی قضا شدہ نمازِ عصر کے وقتِ ادا میں ہونے کے لیئے ڈوبے ہُوئے سُورج کا پلٹنا یاد آگیا۔ اس سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اختیارات زمین ہی تک محدُود نہیں بلکہ اُن کی دسترس آسمانوں پر بھی ہے۔ مولا علی شیرِ خُدا نمازِ عصر قضا بھی پڑھ سکتے تھے۔ بلکہ جو نماز قضا ہو جائے اُس کی قضا کسی دُوسرے ہی وقت میں پڑھنے کا حکم بھی ہے۔ مگر نمازی کا دِل وقتِ ادا ہی میں نماز پڑھنے سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ سیّدنا مولا علی شیرِ خدا کی دلی خواہش بھی یہی ہو کہ میں اس قضا شدہ نماز کو ادا پڑھ لوں تو اِتنے بڑے سُورج کو (جو زمین سے بقول اربابِ ہیئت ایک سو ساٹھ درجے بڑا ہے) ڈوبنے کے بعد لوٹایا جاتا ہے۔ اور ان کی خوشی پُوری کر دی جاتی ہے۔ یہ کہہ کے نہیں ٹالا جاتا کہ اِس عصر کو کسی دُوسرے وقت میں قضا پڑھ لینا۔ اگر ایسا ہے تو آسمانی نظام میں یہ تغیّر صرف شیرِ خُدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش سے ہُوا۔

پھر دُعا کے وقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا یہ عرض کرنا کہ "علی تیرے اور تیرے رسُول کے کام میں تھے اِن کی عصر قضا ہو گئی۔ تو سُورج کو پلٹا دے تاکہ علی اپنی نمازِ عصر ادا کر لیں"۔ کام تو صرف یہ تھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مولا علی شیرِ خدا کے زانوں پر سرِ مُبارک رکھے آرام فرمارہے تھے۔ حضرت مولا علی نے اپنے زانوں کو حرکت تک نہ دی کہ مبادا سرکار کے آرام میں فرق آئے۔ آپ کے آنکھوں دیکھے عصر کا وقت ختم ہوتا رہا اور ختم ہو بھی گیا۔ تو اس میں مولیٰ علی شیرِ خُدا نے خُدا کا کیا کام کیا۔ بلکہ بظاہر خدا کے فرض کا وقت آنکھوں دیکھے گزر جانے دیا۔ اِس واقعہ کو خُدا کا کام فرمانا اُس شدّتِ اتصال اور منصبِ جلیل کی خبر دیتا ہے کہ جس کے ہوتے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلّم کے اختیارات کی کوئی تحدید نہیں کی جا سکتی۔ مگر مولوی اسمٰعیل اور اُن کے گروہ سے ایسی غلطیاں سرزد ہونا اچنبھے کی بات نہیں جب کہ ان کے حق میں سرکار ہی فرما چکے۔ حداث الاسنان وسفهاء الاحلام کم سِن (ناتجربہ کار) اور بے وقوف۔ اگر ایسا ہے تو اُن کی ہر بات ناتجربہ کاری اور بے وقوفی کی ہونی ہی چاہیئے۔

آسمان تک سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی دسترس ہونا یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ معجزۂ شق القمر ہی کو لے لیجئے کہ جس کی قرآن پاک نے بھی شہادت دی کہ سرکار کی ایک اُنگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور چاند کے دو ٹکڑے صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ عجم میں بھی دیکھے گئے۔ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اختیارات اور زمین سے آسمان تک مخلوقاتِ الٰہی پر آپ کی حکمرانی کی اس سے واضح کوئی مثال نہیں ہو سکتی کہ انگشتِ مبارک کا اشارہ پاتے ہی چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اعجاز تھا جو عرب وعجم میں جگہ جگہ دیکھا گیا اور دُنیا بھر میں تہلکہ پڑ گیا کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باختیارِ خود خداداد قدرت سے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا ہے۔ اسی سلسلہ میں ہندوستان سے بھی تحائف جانے کا ذکر تاریخوں میں ہے۔

اَب ذرا اُس عبارت کو پڑھیئے جو مولوی اسمٰعیل صاحب لکھ مرے اور سارا گروہ اس پر ایمان لے آیا کہ "جس کا نام محمّد یا علی ہے وُہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ کیوں وہابی، ندوی، مودُودی صاحبان! یہ ہوئی اِسلام کی نشاۃ ثانیہ اور تجدیدِ اسلام؟ اِن حیلوں تو آپ لوگوں نے اِسلام کے میٹنے ہی کا نام اِسلام کی تجدید اور اِسلام کی نشاۃ ثانیہ رکھ دیا ہے۔ مکّہ کے مشہور کافر ابو جہل نے تو کنکریوں کی شہادت سے انکار نہیں بلکہ شہادت کو مانتے ہُوئے جادوگری بتایا تھا۔ اُس کے بعد میں ہونے والے آبا جہل نے تو غضب ہی کر دیا کہ تمام معجزات اور کرامتوں کے متعلق ایک قانون پاس کر دیا

کہ جس کا نام محمدؐ یا علی ہے وُہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ سارے کے سارے معجزے
اَور کرامتیں اُن کے خیال میں ردّی ہو گئے۔ معاذاللہ بارہ سو برس کے بعد دین میں
ایسی شان کی نشاۃِ ثانیہ کر کے مولوی اسمٰعیل صاحب شیخ الاسلام اَور امیرِ شریعت
وغیرہ وغیرہ بنے ہیں۔

سب سے بڑی فرقہ واریّت کا آغاز

اَب جو لوگ اِن شاتمانِ سرکارِ رسالت (علیہ افضل الثناء والتحیۃ) کو اسلام میں ٹھونسنے کی کوشش کر رہے ہیں اُنہیں یہ ایک بڑی مصیبت پیش آ رہی ہے کہ وُہ کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کے ہر ہر جملہ کی تاویل کہاں تک کریں کسی بندۂ خدا سے احیاناً عمر میں دو ایک جملے ایسے نکل گئے ہوں کہ جن کی تاویل ہو سکے تو کر لی جائے۔ یہاں تو اوّل سے آخر تک توہین کی بھرمار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا وقار کم کرنے اَور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر فرقہ واریّت پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کے بعد ایک گروہ کو آسانی سے اپنایا جا سکتا ہے تو وُہ ہو کر رہا۔

یہ عقائد کی کتابیں کہی جاتی ہیں تو باب عقائد کے کسی ایک مسئلہ پر ان میں سیر حاصل بحث کہیں نہیں ملتی۔ اوّل سے آخر تک دو ہی مضمون ملتے ہیں۔

۱۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی توہین

۲۔ کفّار و مشرکین کے بارے میں جو آیتیں اُتری ہیں اُنہیں مسلمانوں پر ڈھالنا اَور مسلمانوں کو مشرک بنانا۔

پھر ایسی دریدہ دہنی ایسا طرزِ بیان، ایسے بے ہُودہ مضامین بھلا دینیات کی کتابوں میں کہاں؟ یہ واقعی نئے دین کی دینیات ہے۔ جس کے دیکھنے والے خود فیصلہ کر لیں گے کہ

یہ اسلام قدیم ہے یا کوئی جدید اسکیم ہے جس کے متعلق خود ابنِ عبدالوہاب اپنے خطبوں اَور اپنی مجالس میں بارہا اعلان کر چکا ہے:۔

اِنِّیْ آتَیْتُکُمْ بِدِیْنٍ جَدِیْدٍ۔ میں تمہارے پاس نیا دین لے کے آیا ہُوں۔

یہ ہم اُوپر بھی دکھا چکے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی عداوت میں ان دونوں کتابوں میں جگہ جگہ علمِ بغاوت بلند کیا گیا ہے۔ میری ناظرین سے درخواست ہے کہ وُہ اِن مضامین کو بغور پڑھیں اَور حوالجات کو اچھی طرح جانچیں۔ اگر اس معروضہ میں حق صریح پائیں تو اگر پہلے سے وُہ شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں اب توبہ کر لیں۔ توبہ میں دُنیا کی شرم بدترین حماقت ہے۔ اُس ذلّت و رُسوائی سے بچیئے جو کل اوّلین و آخرین کے سامنے ہونے والی ہے۔ وُہ انتہائی دردناک اَور بے حد شرمناک ہے۔

تاریخِ اسلام کا ایک دردناک باب

اِس معاملہ کو صرف سمجھ لینے کے لئے جن چند احادیث کی ضرورت تھی وُہ اُوپر ذکر کر دیں جو از اوّل تا آخر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی پیش گوئیاں ہیں اَور ان کے علومِ غیبیہ کا ایک مختصر نمونہ ہے۔ اب یہ کہ اُن پیش گوئیوں کے ساتھ ان وہابیوں نے کیا معاملہ کیا۔ اَور تاریخِ عالم نے اُن پیش گوئیوں کا کیسا احترام کیا۔ ملاحظہ ہو یہ آمروزا قصہ طلب ہے۔ تفصیل کے لئے تاریخِ اسلام دیکھ لیجئے۔ یہاں مختصراً عرض ہے۔

سترھویں صدی عیسوی کا آخری دَور تھا۔ انگریزوں اَور ترکوں میں کشیدگی بڑھ رہی تھی۔ انگریز ترکوں کے قدیمی دشمن رُوس کا حلیف ہو چکا تھا۔ اَور ترک بھی انگریزوں کے خون کے پیاسے نپولین سے معاہدہ کر چکے تھے۔ اِسی دوران میں سلطان سلیم ثالث نے اپنی فوج کو جدید اصولِ جنگ کی مہارت کرائی۔ جس کے لئے نپولین نے اپنے افسرانِ فوج بھیجے۔ ترک فوج اُن سے قواعد پریڈ اَور اصولِ جنگ سیکھتی رہی۔ ترک سپاہی اُس وقت تک اپنی

پُرانی قومی وردی پہنتے تھے۔ اب اُن کو فوجی وردی میں کوٹ پتلون دیئے گئے تو اُنہوں نے پہننے سے اِنکار کیا کہ یہ نصاریٰ کا لباس ہے۔ اِس پر بات اِتنی بڑھی کہ آستانہ کی فوج باغی ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہ بغاوت ساری فوجوں میں پھیلنے لگی۔

انگریز کے آدمیوں نے اِس بغاوت کو اُدھر ہوا دی۔ اِدھر انگریز نے نجد میں ابنِ عبدالوہاب اور امیر درعیہ (جو سعودی خاندان کا مورثِ اعلیٰ تھا) کو ملایا اور ان دونوں کو مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کے اصُول بتائے۔ ابنِ عبدالوہاب نے پہلے نجد میں وہابیت پھیلائی جو اُن صحرائی جاہلوں کے دِلوں میں آسانی سے اُتر گئی۔ پھر اُس نے دُنیاءِ اِسلام کو مشرک قرار دیا اور اُن سے جہاد فرض بتایا۔ یہ وُہ وقت تھا کہ عرب سے باغی فوجیں آستانہ کی طرف سمٹ رہی تھیں۔ جب ترکی فوجیں عرب خالی کر گئیں تو انگریز کے اِشارہ سے ابنِ عبدالوہاب نے صرف مقاماتِ مقدّسہ پر حملہ کیا۔ ابنِ عبدالوہاب تو صرف انگریز کا آدمی تھا اور اُسے دُنیوی شہرت و عزّت اور دولت کی چاہت تھی۔ البتّہ امیر درعیہ اپنی چھوٹی سی ریاست کو ایک بڑی سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ اِس جذبہ کے تحت اُس نے بھی جہاد کا نعرہ بلند کیا۔

امیر درعیہ کی فوج اور نجدی درندوں نے پہلے طائف پر اور پھر مکّہ معظمہ و مدینہ منوّرہ و کربلاءِ معلّےٰ پر شدید حملے کئے۔ علماء جو وارثِ انبیاءِ کرام ہیں۔ اور ساداتِ عظام جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بھاری امانت ہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر شہید کئے گئے۔ اور ان سب مقاماتِ مقدّسہ میں بڑا قتلِ عام ہوا۔ طائف میں تو شیر خوار بچے اپنی ماں کی گود میں ذبح کئے گئے۔ مخدّراتِ اِسلام کی عصمت دری اور عام لُوٹ مار اور قتل و غارت کا تین دن بازار گرم رہا۔

یہ وُہ بقعۂ مبارکہ ہے جہاں حلال جانور کا شکار بھی حلال نہ تھا۔ وہاں بیتُ اللہ اور یہاں بیت الرسُول میں پناہ لینے والوں کا خون بڑی بے دردی سے بہایا گیا اور حرمین محترمین کی پاک دامن بیبیاں تین دن کے لیئے نجدی درندوں پر عصمت دری کے

لیئے حلال کر دی گئیں۔[1] یہ ہے ہندوستان کے وہابیوں، ندویوں، مودودیوں کے نزدیک اِسلام کی تجدید اور اس کی نشاۃِ ثانیہ۔ یہ سب کچھ اِس لیئے ہوا کہ عام نجدی دُنیاءِ اسلام کو مشرک ہی سمجھتے تھے۔

ابنِ عبدالوہاب کے گروہ کا سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ کرنا اور اُن میں بھی مقاماتِ مقدسہ کا اِنتخاب انگریز ہی کی ذہنیت تھی اور صرف انگریز ہی کے بل بوتے پر تھا۔ ورنہ کہاں ایک قبیلہ کا شیخ اور کہاں سلطنتِ عثمانیہ۔ یہ ہرگز سمجھ میں آنے کی بات نہیں کہ اِتنی بڑی سلطنت سے چھیڑ چھاڑ اُس نے اپنے بل بوتے پر کی ہو۔ اور اُس پر یہ جُرأت کہ سلطان المعظم کو بھی اُس نے اپنے نئے دین کی دعوت دی۔ اور پھر مقاماتِ مقدّسہ کا ان مظالم کے لیئے انتخاب یہ ساری اسکیم کافر انگریز کی تھی۔ نام کا مسلمان بھی جسے کسی طرح گوارا نہ کر سکتا تھا۔ دُشمنی، کفر یا لالچ یہ ہی تینوں ایسی بے غیرتی کا سبب ہو سکتے تھے تو یہاں تینوں فراہم تھے۔ انگریز کی اِسلام دُشمنی اور اس کا کفران کا مُشیر تھا اور اُن کا لالچ اُس کے مشورہ کا مؤید تھا۔ اُس وقت تک وہابیت ایک اسکیم تھی کوئی دین نہ تھا۔

بعض احادیث میں قرناء الشیطان بصیغۂ تثنیہ وارد ہے یعنی سرزمین نجد سے شیطان کی دو سنگتیں ظاہر ہوں گی۔ علماء و مورّخین اس کی تفصیل میں پہلا نام مسیلمہ کذاب کا اور دُوسرا نام ابنِ عبدالوہاب کا لیتے ہیں۔ بعض تاریخوں میں

---

[1] اِس واقعہ کو مسعُود عالم صاحب ندوی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک" کے ص ۱۸ پر بڑے مزے لے لے کر بیان کیا ہے وُہ لکھتے ہیں: "اسی سال اس کا بیٹا سعود بن عبدالعزیز بن محمد مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخل ہوا اور حرم کو شرک و بدعت کی آلودگیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد اہلِ نجد کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کی نگاہیں شام کی طرف اُٹھنے لگیں اور تمام دنیاءِ اسلام کو دعوتِ توحید سے آشنا کرنے کا خیال ان کے دلوں میں گدگدی پیدا کرنے لگا۔ ان کی دینی غیرت اور قومی شجاعت کامیابی کی ضمانت تھی۔ شام اور عراق کے علاقوں پر کئی کامیاب حملے بھی کئے۔" ۱۲

انہیں روایتوں کی بنا پر اُس کے وطن کا ذِکر اِن الفاظ میں کیا ہے :-

ویخرج فی آخر الزمان فی بلدۃ مُسَیْلِمَۃَ رَجُلٌ یُغَیِّرُ دِیْنَ الْاِسْلَامِ	اَور آخر زمانہ میں مسیلمہ کذاب کے شہر میں ایک شخص نکلے گا جو دینِ اسلام کو بدل ڈالے گا۔

تاریخ کے اِس جملہ کی اگرچہ شریعت میں کوئی خاص اہمیّت نہیں ہے۔ مگر تاریخی حیثیّت سے بعد میں ایک واقعہ کی تائید ہونا اَور صدیوں پہلے صفحات تاریخ میں اس کا ذِکر پھر تائید یا تصدیق بھی اِس شان سے کہ مُخبر عنہ ہی کی زبان اَور سارا کردار اس کی تصدیق پیش کرے۔ یہ تاریخی حیثیّت سے کہیں بالاتر ہے۔ چنانچہ ابنِ عبدالوہاب نجدی کا اپنے وعظوں اَور خطبوں میں بار بار یہ اعلان کرنا کہ انی اتیتکو بدین جدید (میں تو تمہارے پاس نیا دین لے کے آیا ہُوں) ابنِ عبدالوہاب نے اِتنا کہنے پر اِکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اُس نے اپنے تمام اقوال و افعال کو اِسلام سے جُدا ہی دکھایا ہے۔ اِس کے بعد بھی اُس کو مسلمانوں میں شمار کرنا یہ اسلام میں ٹھونس ٹھانس نہیں تو کیا ہے۔ وُہ اِسلام سے یہ کہہ کر خود نکلا اَور کروڑوں کو نکال لے گیا۔

اِس عقیدہ کے لوگ ہندی ہوں یا نجدی، وُہ آج بھی اندرُونِ خانہ دُنیاء اِسلام کو مُشرک ہی جانتے اَور مانتے ہیں۔ اَور دِلوں میں مسلمانوں سے غیر مسلموں جیسا تعصّب بھی رکھتے ہیں۔ بظاہر کتنے ہی شِیر و شکر ہو جائیں مگر حکمِ خُدا ٹل نہیں سکتا۔ آیۂ کریمہ وما تخفی صدورھم اکبر۔ (ترجمہ۔ اَور جو (غیظ و غضب تم سے) وُہ دِل میں چھپائے ہیں وُہ بہت بڑا ہے) کا مظہر کبھی نہ کبھی ضرور ثابت ہوں گے۔ اس وقت ان کا اخلاق اَور ان کی رواداری صرف وقت کی ناسازگاری کی وجہ سے ہے یہ معلوم ہوتا ہے انہیں مسلمانوں سے اپنی فِطری جہاد کے لِئے صرف وقت کی سازگاری کا اِنتظار ہے اِس واسطے کہ مذکورہ بالا احادیث اَور اِس آیۂ کریمہ پر عمل کر کے دکھانے کے لِئے منافقین قدرتی طور پر مجبُور ہیں۔ حرمین محترمین اَور صوبہ سرحد میں تو اِسی مجبُوری

سے عمل ہوا۔

ان کا تقیّہ بھی اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اِسی لئے قدرت نے ان کی صُورتوں کو خشکی اَور بد رَونقی سے کسی قدر ممتاز ہی کر دیا ہے۔ یہ قدرتی اِمتیاز تقیّہ کی لعنت کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اَور تقیّہ ہی کی نشانی ہے۔ ان کا قائد اَور شیخ الاسلام جب حرمِ محترم میں فاتحانہ داخل ہوا ہے اَور اُس کی نظر مزارِ اطہر پر پڑی۔ اُس وقت مزارِ اطہر کی طرف اِشارہ کر کے وُہ اپنا راسخ عقیدہ اَور دِل کی بات کہہ گیا تھا ھذا صنم اکبر (یہ سب سے بڑا بُت ہے) معاذاللہ۔ یہ نجدیوں کے قائد کا اَور اُن کا راسخ عقیدہ ہے۔ مگر آپ پر کبھی ظاہر بھی نہ ہونے دیں گے۔ مزارِ اطہر کو صنمِ اکبر کہنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے اِس مرکزی نقطہ کو وُہ صفحہ ہستی سے میٹ ہی دینا چاہتے ہیں۔ مگر اِنشاء اللہ اُسے ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔

مقاماتِ مقدّسہ کا قتل و غارت جو اُن کی میٹھی مُراد تھی۔ جو طائف سے شروع اَور کربلا معلّٰی پر ختم ہوا۔ حرمین شریفین کی لُوٹ مار اَور قتل و غارت کے مختصر حالات آپ کو اگلے اَوراق میں بتائے گئے ہیں۔ عرب مؤرّخ نے کربلا و طائف کے جو حالات بیان کِئے ہیں اُس کا ترجمہ سُنئیے :-

کربلا میں نجدی بہ جبر داخل ہوا۔ وہاں نہتّوں کو اُس نے قتل کیا۔ اَور اپنے لشکر کو لُوٹ مار کی عام اِجازت دے دی۔ سیّد الشہداء کے مزار شریف کا بھی سامان لُوٹ لیا۔ اَور شہر کو تباہ کر ڈالا۔ طائف میں جو قتلِ عام ہوا ہے۔ اُس کی دُوسری مثال کِسی مذہب و مِلّت میں مِلنا دُشوار ہے۔ وہاں شِیر خوار بچے ماؤں کی گود میں ذبح کِئے گئے۔ اَور مخدّراتِ اِسلام بھیڑ بکری کی طرح ایک کھوڑ میں بند کر دی گئیں۔ اَور جو کچھ ان کی بے حُرمتی ہوئی وُہ بھی مؤرّخ بیان کرنے سے قاصر رہے اَور یہ کہہ کر ٹال گئے کہ یطول الکلام بذکرہ کہ اِس ذِکر سے بات لمبی ہوتی ہے۔

واہ رے ندویوں، مودودیوں کے شیخ الاسلام اور مجدّد! تو نے مسلمانوں کا مال و دولت و عزّت لوٹ کے اور بے گناہوں کا خون بہا کے اسلام کی نرالی نشاۃِ ثانیہ کر ڈالی۔

علّامہ شامی کا بیان

خیر اس سارے قتل و غارت کے بعد وہ درعیہ لوٹ گیا۔ اب دنیائے اسلام کے ایک مسلّم الثبوت فقیہ اور متبحر عالم علّامہ شامی کا بیان سنیئے۔ وہ اپنی کتاب ردّ المحتار حاشیہ درِّ مختار میں فرماتے ہیں:۔

كما وقع في زماننا في اتباع ابن عبد الوهاب الذين قد خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتى كسر الله تعالى شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلث وثلثين ومائتين والف۔

جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ابنِ عبد الوہاب کے پیروؤں میں ہوا وہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر مسلّط ہو گئے وہ حنبلی ہونے کا حیلہ کرتے تھے۔ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں وہ سب مشرک ہیں اس عقیدہ کی وجہ سے وہابیوں نے اہلِ سنّت اور اُن کے علماء کا قتل مباح قرار دیا۔ یہاں تک کہ رب العزّۃ نے اُن کی شوکت توڑ دی اور اُن کے شہروں کو اوجڑ کر دیا اور اُن پر اسلامی فوجوں کو فتح دی۔ یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ میں ہوا۔

اس سے بڑی شہادت اس امر کی کیا ہوگی کہ نجدی مذہب والے ساری دنیائے اسلام کو مشرک سمجھتے ہیں۔ یہ علّامہ شامی کا بیان ہے۔ انہیں کے حاشیہ شامی

میں موجود ہے۔ اس کتاب سے ہندوستان کے وہابی بھی اپنے فتووں میں سند لیتے ہیں۔ چنانچہ ابنِ عبد الوہاب کے اس عقیدے کی تصدیق اُسی کی کتاب "کتاب التوحید" سے بھی ہوتی ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ:۔

مشركوا ذلك الزمان اخف كفرا من مسلمي هذا الزمان۔

دورِ رسالت کے مشرکین (ابوجہل و ابولہب وغیرہ) کا کفر اس زمانے (دورِ عبد الوہاب) کے مسلمانوں سے ہلکا تھا۔

یہ یاد رہے کہ نجدی کی یہ رائے مسلمانانِ عرب خصوصاً ساکنانِ حرمین محترمین یا بعض دیگر مقاماتِ مقدّسہ کے مسلمانوں کے متعلق تھی۔ اس واسطے کہ وہ دیہاتی جاہلوں کی طرح محدود معلومات کا آدمی تھا۔ اُسے پورے عرب کا حال بھی معلوم نہ ہوگا۔ ظالم نے عرب و عجم کے سب مسلمانوں پر شرک کا لیبل لگا دیا۔ یہ حکمِ شرک جب لگا تو اندھے کی لاٹھی کی طرح ساری دنیا پہ گھوم گیا۔ اُس کی زد سے کوئی مسلمان بچ نہ سکا۔

کفر و شرک کے فتوے

درحقیقت کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کفر و شرک کی دو مشینیں گنیں ہیں جن کی بڑی لمبی مار ہے۔ اور جہاں جہاں کتاب التوحید نے شرکی بم ڈالے ہیں وہیں تقویۃ الایمان نے کفری گولے گرائے ہیں۔ ایسے موقع پر دونوں میں دینِ جدید والے احکامِ شرعیّہ ایک ہی ہیں طرزِ بیان بھی ملتا جلتا ہے۔ بلکہ کتاب التوحید کے وحشیانہ طرزِ بیان کو تقویۃ الایمان میں بہت نباہا گیا ہے۔

یہ بھی اس گروہ کی خاص فطرت ہے کہ اپنی فطری معصیت کو دوسروں پر اُلیچتے ہیں اور اس اُلیچا اُلیچ کی وہ دھواں دھار کرتے ہیں کہ اُن کا ذاتی عیب اُس دھواں دھار میں چھپ جاتا ہے۔ خود تو ساری کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان میں بلا استثنا ساری

دُنیائے اسلام کو کُفر و شرک میں لتھیڑا تو کسی وہابی کو یہ نہ سُوجھا کہ یہ کیا ہُوا۔ اور علمائے اہلِ سنت نے ان میں کے چند شاتمانِ سرکارِ رسالت علیہ افضل الثناء والتحیّۃ پر کفر کے فتوے دیئے تو ہر جگہ پیٹ پکڑے پھرتے ہیں کہ بریلی میں تو کفر کی مشین لگی ہے۔ حالانکہ معدودے چند کی اِدھر سے تکفیر ہوئی اور اُن کی زندگی میں ہُوئی۔ وُہ اور اُن کے حواری مدت العمر الزامِ کفر اُٹھانے میں لگے رہے مگر اُٹھا نہ سکے۔ یہاں تک کہ ایک صاحب نے تنگ آکر وُہ کفری عبارت ہی بدل ڈالی۔ کاش کہ پہلی عبارت سے توبہ کا بھی اعلان کر دیتے۔ تو اُن کا ربّ العزّۃ کے یہاں بھی معاملہ صاف ہو جاتا۔ مگر یہ بات تو نصیب سے ہوتی ہے۔

تبدیلی کی رسم کتاب التوحید سے شروع ہوئی ہے۔ سُنا یہ ہے کہ اُس کے ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ تغیّر تبدّل ہو جاتا ہے۔ ایک اور شرکی بم ملاحظہ ہو۔ جو ابن عبدالوہاب نے دنیائے اسلام پر پھینکا۔ وُہ کتاب التوحید میں رقمطراز ہے:۔

اِنّی ادعوکم الی الدین وجمیع ماھو تحت السبع الطباق مشرک علی الاطلاق ومن قتل مشرکاً فلہ الجنۃ۔

میں تمہیں دین کی دعوت دیتا ہوں اور جو مخلوق ہفت آسمان کے نیچے ہے وُہ سب کی سب مشرک ہے اور جس نے مشرک کو قتل کیا اُس کے لیے جنّت ہے۔

یہ ہے مُسلم کُشی کا وُہ خونی فتویٰ کہ جس کی بنا پر مکّہ و مدینہ میں قتلِ عام کیا۔ اور وہاں کے سادات و علماء و صلحاء کی گردنیں ماریں۔ اور سیّد احمد و مولوی اسمٰعیل دہلوی نے مسلمانانِ سرحد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس فتوے کو جب جب اور جہاں جہاں عملی جامہ پہنانے کا موقع ملا کبھی نہ چُوکے۔ خونی فتویٰ اَب بھی وُہی ہے ورنہ ترمیم شائع ہو جاتی۔ وُہ تو حکومتوں کے آہنی پنجہ کے سبب یا دیگر مصالح کی بُنیاد پر عملی جامہ نہیں پہنا رہے ہیں رُکے پڑے ہیں۔

ایک مرتبہ لوگوں نے ابن عبدالوہاب سے اُس کے دین کے بارے میں کچھ سوال جواب کِئے۔ تو اُس نے جن الفاظ سے بات کو مختصر کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں:۔

قال رجل آخر مرۃ ھٰذا الدین جئت بہ متصل ام منفصل فقال حتی مشائخی ومشائخھم الی ست مائۃ سنۃ کلھم مشرکون۔

ایک شخص نے عبدالوہاب سے پُوچھا یہ دین جو تم لائے ہو، رسُولِ پاک کے زمانہ سے مسلسل آرہا ہے یا بیچ میں کٹ گیا تھا اُس نے کہا کہ میرے پیر اور اُن کے پیر تک چھ سو برس سے برابر مشرک ہوتے چلے آرہے ہیں۔

اِبنِ عبدالوہاب کا کہنا ہے کہ سنہ ٦٠٠ھ کے آغاز سے اس سنہ ١٢٠٠ھ کے آغاز تک ان چھ سو برس میں میرے پیر اور اُن پیروں کے پیر تک مشرک ہی ہوتے چلے آئے ہیں۔

ابن عبدالوہاب نے چھ صدی پہلے کے تمام مسلمانوں کو مشرک بتایا۔ اس شرک کی مشین گن کا کسی صاحب نے شکوہ نہ کیا۔ یہ کسی نے نہ کہا کہ نجد میں شرکی مشین لگی ہوئی ہے بلکہ ندوی صاحب اور مودُودی صاحب نے اس جرأت اور بہادری پر اُسے شیخ الاسلام اور مجدّد کا خطاب دے رکھا ہے۔ اور غالباً اپنے اِسلام کی نشاۃ ثانیہ اُسی سے کرائی ہے۔ دُنیائے وہابیت کے سر اُسی کی جناب میں جھکا دیئے ہیں۔

یہ تو تھا وہابیت کے معلّمِ اول کا کارنامہ جس میں چھ صدی اگلے مسلمانوں پر شرک کا لیبل لگا۔ دَورِ حاضر کے مسلمان شرک سے محرُوم رہے جاتے تھے۔ تو مولوی اسمٰعیل دہلوی سے نہ دیکھا گیا۔ اُنہوں نے اِن الفاظ سے اِسلام کی نشاۃ ثانیہ شروع کی۔ تقویۃ الایمان ص ۵۴-۵۵ مطبُوعہ برقی پریس دہلی میں فرماتے ہیں۔" پھر اللہ آپ ایسی باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے جن کے دِل میں تھوڑا سا بھی اِیمان ہے مر جائیں گے۔ اور (صرف) وُہی لوگ رہ جائیں گے جن کے دل میں کچھ بھلائی نہیں۔ سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہُوا۔"

اسمٰعیل صاحب نے یہ آخری جملہ بڑھا کے کمال کر دیا کہ دُنیائے اِسلام کے ساتھ خود بھی کفر کی دلدل میں پھنسے اور اپنے ساتھ سیّد احمد صاحب کو بھی شامل کر لیا۔ اور ان سب کو کافر کہہ دیا۔ اس واسطے کہ اُنہوں نے مان لیا ہے کہ کفر کی ہوا چل چکی۔ اور ایمان

والے سب مر چکے۔ جو رہ گئے وُہ سب بے ایمان کافر رہ گئے۔ جن میں وُہ خود اَور ان
کے پیر صاحب بھی شامل ہیں۔ ابن عبدالوہاب نے بڑی ہوشیاری کی کہ چھ صدی پہلے
کے سب مُسلمانوں کو مُشرک کہا اَور خود کو صاف بچا گیا۔ یہ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اپنے
کئے میں خُود لپٹ گئے۔ آخر تھے تو سفہاء الاحلام ہی۔ افسوس! اُنہوں نے اُسی احمق
کی سی حرکت کی کہ جس ٹہنے پر بیٹھا تھا اُسی کو کاٹ رہا تھا۔ ٹہنا کٹ کر گرا تو خود بھی نیچے
آرہا۔ اِس سے زیادہ سادہ لوحی کیا ہوگی کہ خود پر اَور اپنے پیر پر فتوائے کفر لگائے بیٹھے ہیں

اتنا ضرور ہے کہ اُنہوں نے ہر جگہ اپنے شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب کا ساتھ دیا
ہے۔ بلکہ اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم چھوڑ کے اُس کے قدموں پر آپڑے ہیں۔ ابن عبدالوہاب
نے چھ صدی کے مُسلمانوں پر شرک کا لیبل لگا کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی۔ اَور ہندوستان کے
ندویوں، مودودیوں سے مجدّد اَور شیخ الاسلام کا خطاب خراجِ عقیدت میں حاصل کر لیا
مگر خود الزامِ شرک سے صاف بچ گیا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے بھی اسلام کی
نشاۃ ثانیہ اپنے دَور سے قیامت تک کے مُسلمانوں پر فتوائے کفر کی چسپانی سے شروع کی۔
مگر اپنی سادہ لوحی سے خود بھی اس میں اُلجھ گئے۔

اَب ذرا دیوبندی، ندوی اَور جماعتِ اسلامی والے یعنی مودودی صاحبان اتنی
وضاحت فرمادیں کہ اُنہیں نجد والے "شیخ الاسلام" اَور "امیر لشکر مجاہدین" مولوی اسمٰعیل
صاحب کے ان نادر شاہی فتوؤں سے انحراف تو نہیں ہے۔ اُن کے عقیدے میں
بھی معاذ اللہ اُن چھ صدی کے مسلمان واقعی مُشرک تھے۔ اَور بقول مولوی اسمٰعیل صاحب
کیا اُنہیں کے دَور سے بلکہ اُنہیں کی ذات سے وُہ دَور کُفر و الحاد شروع ہو لیا ہے،
جس دَور سے دُنیا مُسلمان کے وجود سے یکسر خالی رہے گی۔ اس واسطے کہ یہ الفاظ
"سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مُطابق ہوا" مولوی اسمٰعیل ہی کے ہیں۔ اِن حسابوں یہ ساری
تبلیغیں اَور طرح طرح کی تحریکیں جو آپ لوگوں میں چل رہی ہیں۔ اَور ساری کی ساری

تبلیغی اجارہ داریاں اُس ہوا کے اثر سے کفر و ارتداد میں منتقل ہو چکی ہوں گی۔ اس واسطے کہ
امیرِ شریعت مولوی اسمٰعیل صاحب کے آنکھوں دیکھی وُہ ہوا چل چکی ہے جس نے دُنیا بھر
کے ایمان کو یقیناً سلب کر دیا ہوگا۔ ہر ایمان والا اُس کے اثر سے مر گیا ہوگا۔ اس ہوا
کے چلنے ہی دُنیا میں ایمان کا وجود نہیں رہتا۔ لہٰذا ۱۲۳۹ھ سے یہ دُنیا اُسی دَور
نا ہنجار سے گزر رہی ہے کہ اُس وقت کی اَور اُس کے بعد کی جس قدر جدید تحریکیں،
تبلیغیں تعلیمیں ہیں وُہ سب کی سب کفر و ارتداد کے نشری اڈّے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے
کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے جس دن سے وُہ ہوا چلائی۔ اُن کے اَور سارے گروہ کے
ایمان کا چراغ گُل ہو گیا۔ اَور اِن جدید تحریکوں تبلیغوں سے جہنم کا ایندھن تیار ہونے
لگا۔ یہ وُہ اصولی بات ہے جسے اُن کے گروہ کو تو ماننا ہی پڑے گا۔ اَب اُن کی
روز افزوں تبلیغوں سے جہنم کا ایندھن ہی تیار ہوگا۔ اس واسطے کہ ۱۲۳۹ھ میں
جوہرِ ایمان کو بقول مولوی اسمٰعیل دہلوی ہوا مار گئی۔

اصل لڑائی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقار کی ہے۔ ابن عبدالوہاب
نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا غیر معمولی وقار دیکھا اَور بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر
پر مسلمانوں کا راسخ عقیدہ پایا جو اُس پر گراں گزرا۔ آگ بگولا ہو گیا۔ مُسلمانوں نے بر بنائے
حکم ربّ العزّۃ "منصبِ نبوّت کا حصول بعد سرکارِ رسالت علیہ افضل التحیۃ والثنا
محال ہونے کا اعتقادِ جازم کر لیا اَور نبی اللہ کی شخصیت کو دُنیا۔ اسلام عامۃ البشریت
سے بہت بالاتر سمجھتی ہے۔ اِس لئے اُس نے سرکار ہی کی ذاتِ کریم پر ناپاک حملے شروع کر دیئے۔

نبوّت کی اُمیدواری

اِس ساری خباثت کا سنگِ بنیاد منصبِ نبوّت کے لئے اُس کی اپنی اُمیدواری[1]

[1] ابن عبدالوہاب کے ہم عصر علمائے کرام نے جو اس کے حالات لکھے ہیں اُن میں لکھا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

تھی۔ وُہ خوب سمجھتا تھا کہ دُنیا کی نظروں سے بغیر اُس ذاتِ کریم کا وقار گھٹائے وُہ تختِ نبوّت پر قدم نہیں رکھ سکے گا۔ لہٰذا اُس نے اپنی اِس آرزو کے پیشِ نظر ارشاداتِ قرآن وحدیث کی بھی پروانہ کی۔ قرآن اَور حدیث شریف کے مقابلہ میں اُس کی تجدید و نشاۃِ ثانیہ ملاحظہ ہو:۔

ندویوں اَور موُدودیوں کے شیخ الاسلام ابنِ عبدالوہاب کتاب التوحید میں

من اعتقد النبی وغیرہ ولیہ فھو و ابوجھل سواء۔ (جو شخص نبی وغیرہ کو اپنا سرد ھرا سمجھے وُہ اَور ابُوجہل شرک میں برابر ہیں)

فرمانِ خُداوندی قرآنِ پاک میں

انما ولیکم اللہ و رسولہ
(بے شک مسلمانو تمہارا سرد ھرا اللہ اَور اُس کا رسُول ہے)

اِبنِ عبدالوہاب کے مذکورہ بالا قول کا حاصل یہی نِکلتا ہے کہ مسلمانو! اگر تم اللہ تعالےٰ کے اِرشاد انما ولیکم اللہ و رسولہ پر ایمان لاؤ گے تو شرک میں تم اَور ابُوجہل دونوں برابر ہو جاؤ گے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کہ جو لوگ اُس کے پاس درعیہ سے باہر کے آ کے رہتے اُنہیں مہاجر کہتا اَور لوگوں سے کہلواتا اور درعیہ والوں کو انصار کہتا کہ وُہ خود بھی عینیہ سے درعیہ گیا تھا۔ لہٰذا خود بھی سرکارِ دوعالم کی طرح مہاجرین میں شامل ہو گیا اَور حالات بھی ایسے تھے جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ نبوّت کا نقشہ تیار کر رہا ہے دعویٰ نبوّت کرے گا اَور دینِ جدید لانے کا تو اعلان کر ہی چکا تھا۔

وُہ اکثر جھُوٹے مدعیانِ نبوّت مسیلمہ کذاب۔ نجاح اِسود عنسی وغیرہ کے مشن میں غور کرتا تاکہ اُن کی ناکامی کے وجُوہ معلوم کرے۔ اَور خود پہلے ان کا تدارک کرے۔ اُسے کھُلم کھُلا نبوت کا دعویٰ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ حالاں کہ اُس نے اپنے خطبوں میں انی اتیتکم بدین جدید کہہ کر اپنی نبوّت کی بُنیاد رکھنا شروع کر دی تھی اَور چھ سو برس سے دُنیا کو ایمان سے خالی بتا کر نئی نبوّت کے لِئے فضا تیار کر رہا تھا۔ وُہ تو بڑی خیریت گزری کہ وُہ دعوائے نبوّت نہ کر سکا۔ ورنہ ہندوستان میں جو گروہ آج اُسے مجدّد اَور شیخ الاسلام مانتا ہے وُہ اُس کی نبوت منوانے کے لِئے خدا جانے کیا غضب ڈھاتا اَور مسلمانوں کا کیسا قتلِ عام کرتا۔ آج جو اس گروہ میں ہیں یہ سب تو فوراً اُس کی اُمت اجابت بن جاتے۔ ۱۲

اِبنِ عبدالوہاب کا قول کتاب التوحید میں

من قال یا رسول اسئلک الشفاعة یا محمّد ادع فی قضاء حاجتی یا محمّد اسئل بک و اتوجه الی اللہ بک و کل من ندا٭ فقد اشرک شرکا اکبر۔

(جس شخص نے کہا یا رسُول اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں سفارش کا۔ اَے سرکار خدا سے دُعا کیجئے میری حاجت کے پُورا ہونے کی اَے سرکار میں آپ سے سوال کرتا ہُوں اَور آپ کے ساتھ میں خدا کی طرف متوجّہ ہوتا ہوں اَور جو شخص بھی ایسی ندا کرے اُس نے بڑا شرک کیا۔)

اِرشادِ ربّ العِزّۃ قرآنِ پاک میں

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔

(اگر اُن لوگوں (مُسلمانوں) نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ آپ کے پاس حاضر ہُوئے۔ اَور اُنہوں نے خدا سے مغفرت چاہی اَور آپ نے بھی سفارش کر دی تو خُدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

ربِ العِزّۃ نے اِس آیہ کریمہ میں طریقِ توبہ کی ہمیں تعلیم دی ہے۔ اَور خُود ربّ العِزّۃ ہی نے فرمایا ہے کہ توبہ کرنے والوں کو پہلے دربارِ رسالت میں اپنی توبہ پیش کر کے ہمارے پیارے رسُول سے سفارش کی درخواست کرنی چاہیئے۔ اگر ہمارے رسُول نے اُن کی توبہ قبُول کرنے کی ہم سے سفارش کر دی تو ہمیں توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

حضرت عثمان بن حنیف راوی ہیں کہ ایک نابینا کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حسب ذیل دُعا خود تعلیم فرما دی۔ اُن کی روشنی عود کر آئی:۔

اللھم انی اسئلک و اتوجه الیک	اَے اللہ میں تجھ سے دُعا مانگتا ہُوں اَور تیری
بنبیک محمّد نبی الرحمة یا محمّد	طرف میں نے تیرے نبی محمّد کے ساتھ رُخ کیا ہے
انی توجھت بک الیٰ ربی فی حاجتی	اَے سرکار میں آپ کی ہمراہی میں رب کی طرف

هٰذه لتقضٰى لى اللّٰهم شفّعهُ فيّ	متوجہ ہوا ہوں اپنی اس ضرورت سے تا میری

حاجت پُوری ہو جائے۔ اللہ ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔

خداوند عالم تو اس توسل کو قبول توبہ کا ذریعہ بنائے مسلمانوں کو اس طرح توبہ کرنے کے لئے اُبھارے اور "دینِ جدید" میں وُہی توسل شرک قرار پائے۔ کیا یہ خداوندِ عالم سے کُھلم کُھلا بغاوت نہیں ہے۔ کیا یہی تجدیدِ دین اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہے۔

یہ سب وُہی باتیں ہیں۔ جن کی نسبت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی ارشاد فرما چکے ہیں:۔

یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اٰبائکم۔	ایسی باتیں کریں گے کہ نہ تم نہ تمہارے باپ دادا نے سُنی ہوں گی۔

ابنِ عبدالوہاب کی اکثر باتیں اسلام سے ٹکراتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیخ نجد ابلیسِ لعین کا صحیح جانشین ہوا ہے جس نے دار الندوہ میں اپنا وطن نجد ہی بتایا تھا اُس کا مقصدِ حیات یہی ہے کہ اولادِ آدم کو جنت الفردوس سے محرُوم ہی رکھے تو اس کی تحریک بھی دُنیا ہ اسلام کو اسلام سے ہٹانا اور جہنم کا ایندھن تیار کرنا معلوم ہوتی ہے۔ جس سے رب العزّت کے پسندیدہ دین کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس تحریک سے جہنم کو بہت سپلائی ہو رہی ہے"۔ اور قومی اتحاد کا تو خاتمہ ہی ہو چکا ہے"۔ یہ اسلام میں وُہ شگاف کیا گیا ہے جو کبھی پُر نہ ہوگا بلکہ برابر بڑھتا ہی رہے گا اس واسطے کہ کافر۔ مُشرک۔ مُلحد۔ مُرتد ہی دُنیا میں قیامت کے اسباب ہیں۔ تو قیامت جس قدر قریب ہوتی جائے گی۔ اُس کے اسباب یوماً فیوماً بڑھتے ہی جائیں گے۔ ان فرقِ باطلہ کا اس آخری دور میں ظاہر ہونا ہی آثارِ قیامت سے ہے۔ اور اُن کا سیلاب کی طرح تیزی سے پھیلنا قیامت کو قریب تر کرتا جا رہا ہے۔ اور ان اسباب سے بچنا ہی قیامت کی قیامت خیز مصیبتوں سے بچنے کی ضمانت ہے۔ اس وقت اس کا مقابلہ جہادِ اکبر ہے۔ جانِ برادر اگر معاملہ کی اہمیّت

سمجھ لئے ہو تو اُٹھو خود اِس سیلاب سے بچو اور دُوسروں کو بچاؤ۔ سرکارِ دوعالم کے ارشاد ایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (اُن سے دُور رہو اُن کو دُور رکھو تمہیں گمراہ نہ کردیں فتنہ میں نہ ڈال دیں) کی تعمیل ہی تمہاری واحد پناہ گاہ ہے۔

میدانِ قیامت کا یہ نظارہ بڑا حیرت انگیز اور عبرت خیز ہوگا جس وقت ان عبادت گزار بندوں کے بڑے بڑے گلّے جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے دُنیا دیکھے گی اور انگشت بدنداں ہوگی کہ قائم اللیل اور صائم الدہر ہوتے ہوئے جہنم کے سر بفلک شعلوں میں جھونکے جا رہے ہیں اور البادی اظلم بانیٔ توہین ابلیسِ لعین ان کے آگے آگے ہے۔ جس کی کلمۂ توہین انا خیر منہ سے فردِ جرم شروع ہوئی ہے اس معصیت میں اُس کی پیروی کرنے والے اور انبیاء کرام کی توہین کرنے والے اُس کے ساتھ ہیں۔ افسوس! یہ کیسے مان لیا جائے کہ ابلیسِ لعین توہین کی پاداش میں جہنم واصل ہو اور دُوسرے توہین کرنے والوں کو معاف کر دیا جائے۔

فرقہ بندی اور بے عملی

درحقیقت یہ فرقے ہی اسبابِ زوال ہیں مسلمانوں کو زوال انہیں تحریکات سے ہوا۔ رُوحِ اسلام انہیں تحریکات سے کم ہوگئی۔ رُوحِ اسلام ہی مسلمانوں کا وُہ انوکھا ہتھیار تھا جس سے مسلمان میدانِ جنگ میں لڑائیاں فتح کرتا اور کفّار کے دلوں میں نورِ اسلام پہنچانے کا بھی واحد ذریعہ ہمیشہ یہی رُوحانیّت رہی۔ دُنیا کے طول و عرض میں اِسی رُوحانیّت سے اسلام پھیلا تھا۔ جب تک مسلمان میں رُوحانیّت کارفرما رہی وُہ خود بھی اسلام کا بہترین نمونہ بنا رہا۔ لوگ اس کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔ اب بارھویں صدی کے آغاز سے شمعِ رُوحانیّت ہی گُل ہو رہی ہے تو پروانے کس کے گرد جمع ہوں۔

اِس وقت مُسلمان کہلانے والے کئی طرح کے ہیں۔ کچھ[1] بداعتقادی کی بدولت دین سے گئے گزرے ہو گئے۔ کچھ[2] اِس اِختلاف کی وجہ سے متردّد ہیں نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر ہیں۔ اَور ایک[3] بڑا گروہ بداعمالیوں کی بدولت رُوحانیّت سے دُور پڑ گیا ہے۔ جو دس، بیس، سو، پچاس نمونے رہ گئے ہیں۔ وُہ اِس ہڑبوم میں دبے پڑے ہیں۔ اُن کے فیضِ صُحبت سے کوئی مستفیض ہی نہیں ہوتا۔

اِسلام میں اگر کوئی آدمی داخل ہونا چاہتا ہے تو مدتوں یہ سوچتا رہتا ہے کہ کس کمیٹی کا ممبر بنوں۔ سبائی اپنی طرف بُلا رہے ہیں۔ دیوبندی اپنی جانب کھینچ رہے ہیں قادیانی اَپنے میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اِسلامی جماعت والے اپنی ہوا باندھ رہے ہیں۔ الیاسی الگ شکار کھیل رہے ہیں۔

اہلِ سُنّت وجماعت کا کوئی نظم ہی نہیں ہے کہ وُہ تبلیغی خدمت انجام دے سکیں۔ ان میں بھی اکثریت کا کردار شرعِ مطہّر کے خلاف ہی ہے۔ اُن کا حِس ہی باطل ہو چکا ہے۔ وُہ اِسلام سے نہ واقِف ہیں نہ واقف ہونے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ صرف اِسلامی مردم شماری کے رجسٹر میں نام آجانا ہی اُن کے نزدیک مُسلمان ہو جانے کے لِئے کافی ہے۔ وُہ اگر کِسی پر اِسلام پیش کریں تو کِس مُنہ سے کریں۔ وُہ خود ہی اسلام سے ناواقف ہیں۔ اَور جو دین سے واقِف ہیں وُہ اپنی اکثریّت پر پھُولے بیٹھے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سب جماعتیں تمہیں میں سے بن رہی ہیں۔ تمہیں میں سے لوگ چھٹ چھٹ کر اُن میں شامل ہو رہے ہیں۔ تمہاری تعداد روز گھٹ رہی ہے۔

اَے علماءِ مِلّتِ اِسلامیہ! اللہ تعالیٰ اَور اُس کے پیارے رسُولؐ کی طرف سے آپ اِس سرکاری گلّہ کے نگہبان ہیں۔ اَور آپ کی نگہبانی کے دَور میں یہ کچھ ہو رہا ہے آپ کو بھی کچھ اپنی ذمہ داری کا اِحساس ہے یا نہیں۔ اِرشادِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنیئے اَور اپنی ذمہ داریوں کا اِحساس کیجئے۔ فرماتے ہیں:۔ علیک

اثم العریسیین یعنی تجھ پر تیرے گلّہ کا بھی وبال پڑتا ہے۔ آپ کے قطر کے عوام آپ کا گلّہ ہیں۔ ان کے عقائد واعمال کی نگرانی آپ کا فرض ہے۔ جس کی آپ سے پُوچھ گچھ ہو گی اَور آپ کو جواب دینا ہو گا۔ آپ نے اس وقت کے لِئے کیا جواب سوچا ہے؟

مُسلمانوں کے دو قتلِ عام

اَب تک اِس گروہ کے شاہکار مسلمانوں ہی کے دو قتلِ عام ہیں جن پر بڑا ناز کِیا جا رہا ہے۔

پہلا قتلِ عام۔ ابنِ عبدالوہاب نے باشندگانِ مقاماتِ مقدّسہ کا کیا تھا۔ اُس میں ساداتِ کرام اَور علماء وصلحاءِ اُمّت کو قتل کیا گیا۔ اَور عام مسلمان تہِ تیغ کیے گئے اَور مخدّراتِ اِسلام پر جو مظالم توڑے گئے اَور جس بے دردی سے مسلمان لُوٹے گئے اُن کی قدرے تفصیل آپ اُوپر کے اَوراق میں پڑھ چکے۔

دُوسرا قتلِ عام صوبہ سرحد میں ہوا جو اس گروہ کے پیر سیّد احمد تکیہ والے اَور مولوی اِسمٰعیل دہلوی نے کیا۔ یہ خوں ریزی نجدیوں کے قتلِ عام سے بڑھ چڑھ کر تھی کہ ابنِ عبدالوہاب نے تو دُنیائے اِسلام پر خصُوصاً ساکنانِ حرمین طیبین پر الزامِ شرک لگا کر جہاد کا سرمایہ تیار کیا تھا اَور فرمانِ سرکارِ رِسالت یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان (وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اَور بُت پرستوں کو نظر انداز کریں گے) کی اپنے کردار سے تصدیق کر دی اَور بے گناہ مُسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا کر اپنا اَور انگریز کا دِل ٹھنڈا کیا۔ سید احمد اَور مولوی اِسمٰعیل نے تمام گُنڈ کی سی مثل پُوری کر دی۔ انہوں نے مُسلم کشی کے لِئے الزامِ شرک کی آڑ بھی نہ رکھی۔ بلکہ گھر سے سرحد تک مشرکین کو نظر انداز کیا۔ اَور حربی کافر انگریز کو دارالاسلام ہندوستان پر قبضہ جمانے کے پیشِ نظر نہیں چھوڑا۔ اَور ہندوستان

سے مُحبّانِ وطن کو بھی ٹال لے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں
کو اُنہیں نے انگریز کی غلامی کا طوق پہنایا۔ اور انہیں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو برطانیہ
عظمٰی بنا دیا۔ پھر انہیں نے سرحد کے مسلمانوں اور سکھوں سے لڑ کر پنجاب و سرحد
کو کمزور کر دیا۔ انگریز کے لئے اُن دونوں صوبوں پر بھی قبضہ کی آسانیاں فراہم
کر دیں۔ نہ یہ لڑتے نہ وُہ کمزور ہو جاتے۔ پھر تو سارا ہندوستان تاجِ انگلستان
میں ٹنک گیا۔ اور یہیں سے ایسٹ انڈیا کمپنی برطانیہ عظمٰی بن گئی۔

یہ دونوں پیر و مُرید جب جہاد کے بہانے گھر سے چلے تو صرف مسلمانوں کی
تلاش میں سرحد تک نکل گئے۔ اور خالص مُسلم آبادی جب ملی تو جہاد یاد آیا۔ چنانچہ
امیر یار محمد خاں[1] سرحدی کے مُسلم علاقہ سے اس جہاد کا افتتاح ہوا۔ اتنی مشقت
اور ایسے طویل سفر کے بعد یہ دونوں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد
کی تصدیق پیش کر سکے۔

یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان۔ وُہ مُسلمانوں کو قتل کریں گے اور مشرکین کو نظر انداز کر دیں گے۔

اب جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے ان مذکورہ بالا احادیث اور انہیں کی تاریخی
شہادتوں کے بعد جو آگے آ رہی ہیں۔ اگر متنبہ نہ ہو تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
پر اس واضح تبلیغ کے ہوتے ہوئے (جس کا فلم دوبارہ دُنیا، وہابیت دکھا چکی ہے)

[1] فریضۂ جہاد کے لئے امیر یار محمد خاں ہی رہ گئے تھے۔ کچھ اس نام نے ان میں غیظ و غضب کی آگ بھڑکائی ہوگی۔ یارِ محمد تھے ہی پر پل پڑے۔ اس افتتاحِ جہاد کی انہیں کے امامِ ربّانی نے تصدیق بھی کر دی ہے۔ تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷۰ میں ہے: "سید صاحب نے پہلا جہاد یار محمد یاغستانی سے کیا تھا"۔ یہ صرف اس لئے کیا ہوگا کہ انہوں نے بھی اپنے عقیدہ میں مسلمان پر شرک و نفاق کا لیبل لگا کر پہلے اُس کی جان لینا خود فرض کر لی ہوگی اور اپنی عادل سرکار انگریز پر اپنی جان دینا فرض تھی ہی۔ تو سرحدی مسلمانوں پر جہاد کرنے سے بیک وقت دو فرض ادا ہو گئے۔ ۱۲

کوتاہیٔ تبلیغ کا الزام بھی نہ رہا۔ نہ ناواقفیت اور لاعلمی کے عُذر کی کوئی گنجائش رہی۔

ہند پر قبضہ کی انگریزی سازش

ابن عبدالوہاب کے حالات میں آپ کو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ موجودہ وہابیت ایک
وقتی کرتب تھا جو مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ جو عرب
میں خاطر خواہ کامیاب ہوا۔ تو اُسی ماہی گیر انگریز نے ہندوستان میں بھی وُہی جال پھینکا
جس میں یہاں بھی دو ہی پھنسے۔ اس شہرت پر بھی یقین کرنے کے کافی اسباب موجود
ہیں کہ سید احمد صاحب و اسمٰعیل صاحب کو حج بیت اللہ اس آتش شوق کے تیز تر کرنے
کو کرایا گیا تھا۔ تو بجائے سُورت و بمبئی کے (جو سفرِ حج کے لئے اُس وقت مروّجہ ساحل
تھے) یہ دونوں کلکتہ لے جائے گئے۔ کلکتہ اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا مرکزی
مقام تھا۔ وہاں کمپنی کے افسروں سے ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔ ان معزز مہمانوں کی
دعوتیں ہوئی ہوں گی۔ ضروری ہدایات دی گئی ہوں گی۔ ان سب مراحل کے بعد جہاز
میں سوار کرائے گئے ہوں گے۔ تو یُوں اُن کا بحری سفر دیگر حجاج کے خلاف کلکتہ سے
شروع ہوا۔ جس سے بحری سفر کی مدت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

انگریز کا مقصد اس سفر میں ان دونوں کو نجدیوں سے ٹریننگ دلانا تھا۔ جو اُس
نے پُورا کر لیا۔ نجدیوں نے ان کو مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کے طریقے
سکھائے۔ جس کا گھر کے بھیدی ڈاکٹر ہوجیز نے بھانڈا پھوڑ دیا۔

حیاتِ طیبہ میں مرزا حیرت نے دبی زبان سے صرف اتنا قبولا تھا کہ حج بیت اللہ
میں نجدی لوگ بھی آپ (سید احمد و مولوی اسمٰعیل صاحبان) سے آ کر ملتے تھے۔ اور اپنی
لڑائیوں کا ترکوں کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے۔

پادری ہوجیز نے اس واقعہ کو "ڈکشنری آف اسلام" میں مفصل لکھا ہے۔ وُہ لکھتے ہیں:

"ابنِ عبدالوہاب کے جانشینوں نے وہابیّت کے اصُول سیّد احمد صاحب کو تعلیم کِئے اَور اُنہیں خُوب سمجھا دیا کہ مذہبی رُوح لوگوں میں پھونکنے کے بعد ہی یہ کامیابی ہوتی ہے اَور یوں مُلک کے مُلک ہاتھ لگتے ہیں۔"

حج کو ایک دُنیا ہر سال جاتی ہے۔ مگر کِسی کو کبھی کِسی نجدی نے مُلک گیری کے اصول نہیں سِکھائے۔ پھر حاجی سے اَور مُلک گیری کے اصُول سے کیا واسطہ۔ یہ صرف اِس وجہ سے ہوّا کہ انگریز کے اشارے سے نجدی پہلے ہی سے اِس پر مامُور تھے کہ ان دونوں کو اِس نام نہاد جہاد کے لِئے تیّار کر دیں۔ اَور ان دونوں کو بھی یہاں سے اِس ٹریننگ کے لِئے آمادہ کر کے بھیجا گیا تھا۔ یہ امرِ اتفاقیہ نہ تھا۔ بلکہ قرائن بتاتے ہیں کہ پہلے سے اس کی داغ بیل ڈالی جا چکی تھی۔ ورنہ حج و زیارت کے بعد سات آٹھ مہینے تک بِلا ضرورت مکّہ معظّمہ میں نہ پڑے رہتے۔ اَور اگر اتفاقیہ مکّہ معظمہ میں رہ بھی گئے تھے تو دُوسرا حج بالکل تیار چھوڑ کے نہ چل پڑتے۔

اِس مضمون کی تیسری تائید سر ولیم ہنٹر سے ملتی ہے جو مسعُود عالم ندوی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں پہلی اِسلامی تحریک" میں بایں الفاظ نقل کی ہے۔ "قیامِ مکّہ کے زمانہ میں (غالباً اِس باغیانہ تعلیم سے باخبر ہو کر حکام کی) توجہ ان (سیّد احمد و اسمٰعیل صاحبان) کی طرف مبذُول ہوئی۔ اِس لِئے کہ اُن کی دعوت اُن بدوؤں (ابنِ عبدالوہاب کے ماننے والوں) سے مِلتی جلتی تھی جنہوں نے گزشتہ سالوں میں مقاماتِ مقدّسہ کو بہت گزند پہنچایا تھا۔ مجاورین نے ان کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا اَور نکال دیا۔"

یہ ٹریننگ مکّہ معظّمہ میں سات آٹھ ماہ جاری رہی۔ اِن دونوں پیر و مُرید کی انگریز سے موافقت اَب تک تو صرف سیاسی تھی اِس ٹریننگ کے بعد اِعتقادی عنصر اَور بڑھ گیا۔ یہ دونوں بھی انگریز اَور نجدی کی طرح مُسلمان کو کافر سمجھنے لگے۔ جِس مقصد کے لِئے انگریز نے ٹریننگ کرایا تھا وُہ اَب پُورا ہو گیا۔ مُغلیہ حکومت نجدی تعلیم کے بعد اُن کی نظر میں

مُرتدین کی سی سلطنت ہو گئی ہو گی۔ اِسی لِئے اُس کے مقابلہ میں انگریز کے شریک ہُوئے اِس واسطے کہ انگریز مُشرک نہ تھے اہل کتاب تھے۔ تو اہلِ کتاب انگریز کی شرکت اور مشرکوں کے مقابلہ میں اُسے مدد دینا یا مدد لینا شرعی نقطۂ نظر سے اُن کے نزدیک صحیح ہو گیا ہو گا

اِن تمام مباحث سے تنگ آ کر یہ مجبوراً ماننا پڑے گا کہ نجدیت درحقیقت مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کی ایک تحریک ہے۔ جیسے صرف شانِ قبول حاصل کرنے کے لِئے مذہبی لباس میں منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ تاکہ مذہب کے نام سے اس کو قبولِ عام حاصل ہو جائے۔ یہ تو لندن مشن کی ذہنیت تھی۔ اُسے مذہب بنا لینا صرف نجد کے صحرائی جاہلوں کی حماقت ہُوئی۔ اِبنِ عبدالوہاب کے ہاتھ سے تو یہ تجدیدِ دین اَور یہی اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہوئی ہے وبس۔

ابنِ عبدالوہاب کے اِسی رُوپ پر ہندوستان کے ندوی وہابی قربان ہیں اور ان کے بڑے بڑے لیڈر اَور ان کی جماعتوں کے ڈکٹیٹر اِسی نشأۃ ثانیہ کی ڈینگیں مار رہے ہیں۔ سِکھّوں کے خلاف پراپیگنڈا یہ اسی ماہی گیر انگریز کا بنایا ہوّا جال تھا جو اِن دونوں سے ڈلوایا گیا۔ تاکہ ہندوستانی مُسلمان کا رُخ انگریز کے بجائے سِکھّوں کی طرف ہو جائے۔ یہاں سے سِکھّوں سے جہاد کا بہانا کیا گیا۔ اَور ہوّا یہ کہ جب یہاں سے مجاہدین کے ریوڑ چل پڑے تو جہاں چاہا کٹا دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے امیر یار محمد خاں سے زور آزمائی ہوئی عام مجاہدین مولوی اِسمٰعیل اَور سید احمد کے تقدّس سے اِس قدر مرعُوب کر دیئے گئے تھے کہ اُنہیں اِس انوکھے جہاد کے متعلق (جس کی اِبتدا مُسلم کشی سے ہوئی ہے) کچھ دریافت کرنے کی بھی ہمت نہ ہُوئی۔ ایک مسلمان نے دُوسرے مُسلمان کو بے وجہ کاٹا اَور بے دریغ لُوٹا اَور اِسی کو جہاد فی سبیل اللّٰہ سمجھتا رہا۔

انگریز اِس میں خوش تھا کہ اُس کا مجاہد صُوبہ سرحد میں مسلمان امیروں سے لڑے اَور مُسلم کُشی کرے یا سِکھّوں سے لڑ کر اُنہیں کمزور کر دے۔ غرضیکہ سرحد و پنجاب کو کمزور

کر کے انگریزی قبضہ کے لئے آسانیاں فراہم کر دے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ان کے عقائد میں مکمل تبدیلی مکہ معظمہ والے ٹریننگ ہی سے ہوئی۔ پھر تو ان کا نعرہ یا سخن تکیہ بالکل وُہی تھا جو ابنِ عبد الوہاب نے کتاب التوحید میں لکھا ہے :-

مشرکوا ذلك الزمان اخف کفراً من مسلمی ھٰذا الزمان۔ دَورِ رسالت کے مشرکین (ابُوجہل و ابُولہب) کا کفر اِس زمانہ کے مسلمانوں کے کفر سے ہلکا تھا

یعنی اِس زمانہ کے مسلمانوں کا کفر زیادہ سخت ہے ابُوجہل اَور ابُولہب کے شرک سے معاذ اللہ۔ لہٰذا ہندوستان میں مسلمانانِ سرحد کے منافق[1] ہونے پر مولوی اسمٰعیل و سید احمد صاحبان کے متعدد فتوے شائع ہُوئے۔ یہ وُہی نجدی والی سُنّت ادا ہُوئی کہ مسلمانانِ عالم خصُوصاً مسلمانانِ حرم مُشرک ہو گئے ہیں۔ اُن سے جہاد کرنا فرض ہے۔ یہاں مسلمانانِ سرحد پہلے مُشرک پھر منافق قرار پا گئے۔ اُن سے بھی جہاد فرض ہو گیا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب اور سیّد احمد صاحب نے اِس نجدی تعلیم کا فوری اثر یہ لیا تھا کہ مدینہ پاک سے جب لَوٹ کے مکہ معظمہ آئے تو حرمِ محترم کے اِمام کے پیچھے نماز پڑھنا ترک

---

[1] نفاق بدترین درجہ کفر ہے۔ وُہ دُشمنانِ اِسلام جنہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے اَور صرف اِسلام کو نقصان پہنچانے کے لِئے اِسلام ظاہر کیا تھا اَور عین وقت پر مسلمانوں سے نگاہ پھیرتے تھے۔ وُہ منافق تھے اِسلام نے جب قوت پکڑی تو حکم رب العالمین آ گیا کہ منافقین کو بالاعلان مسجدِ نبوی سے نکال دیا جائے چنانچہ سرکارِ دو جہاں نے بھری مسجد سے یہ کہہ کہہ کر منافق نکالے اخرج یا فلان فانك منافق نِکل جائے فلاں شخص تو بے شک منافق ہے اِس لِئے بالاعلان نکالے گئے کہ منافقین سے مسلمان بھی واقف ہو جائیں منافقین کی نسبت اِرشادِ رب العزۃ ہے ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔ منافقین تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

جو لوگ کسی مسلمان کو منافق کہہ دیتے ہیں وُہ بدترین گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اِسلام سے دِلی بَیر رکھنے کا نام نفاق ہے اَور یہ بدترین کفر ہے۔ ماؤشما سے بَیر رکھنا نفاق نہیں بلکہ ایک بدترین خصلت اَور گناہ ہے ان لوگوں نے مُسلمانانِ سرحد پر منافق ہونے کے فتوے دیئے کہ عام مسلمانوں کو اُن کے قتل سے عار نہ ہو اَور ایک مسلمان دُوسرے مسلمان پر آزادانہ تلوار چلائے۔ اگر یہ مصلحت تھی تو اُن کا حکم نفاق انہیں پر لَوٹے گا اَور وُہی شرعی منافق قرار پائیں گے۔ ۱۲

کر دی۔ "یہ انگریزی حاجی نجدی ٹریننگ کے دوران قیامِ مکہ میں اپنی جماعت علیحدہ کرنے لگے تھے" سیرتِ سید احمد صـ ۲۶۶ میں ہے :-

"مشورہ سے طے پایا کہ جب تک لوگ حرم میں تراویح پڑھیں آپ یہاں لوگوں کا قرآن سُنیں۔ شور بند ہونے کے بعد مطاف میں اپنی جماعت علیحدہ کی جائے۔"

یہ واقعہ مدینہ پاک سے مکہ معظمہ کو واپسی کے بعد کا ہے۔ اَور اسی رمضان کے بعد ذِی القعدہ میں ہندوستان کو ان کی واپسی ہوئی۔ اس رمضان سے چار پانچ ماہ قبل سے نجدیوں سے فیضِ صحبت حاصل ہو رہا تھا۔ اَور رمضان سے دو ماہ بعد تک انہیں کی تربیت میں رہے۔ یہ وُہی ٹریننگ کا زمانہ تھا۔ ورنہ حج کے وقت اِمامِ حرم ان کے نزدیک مسلمان ہی تھے۔ یہاں سے مدینہ تک ائمہ حرمین ہی کے پیچھے نمازیں ادا کیں۔ اَب نجدیوں کے تعلیم کے دَور میں اِمامِ حرم کو اُنہوں نے مشرک سمجھ کر اُس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی۔ اَب یہ گروہ پکا وہابی ہو گیا۔ ورنہ حج کے بعد تو یہ سارا گروہ مدینہ پاک بھی حاضر ہوا تھا بقول مسعُود عالم ندوی "دو تین ماہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری رہی"۔

اس وقت ان کے عقیدے میں کسی قبر کے لِئے شد رحال بھی شرک نہ ہوا تھا ورنہ خود شرک کر کے مُشرک نہ ہو جاتے۔ بعد میں مولوی اسمٰعیل صاحب ہی نے کسی بھی قبر کی زیارت کو جانے کے لِئے شد رحال (سامانِ سفر کرنا اَور جانا) شرک بتایا ہے[1]۔ اس سے زیادہ تبدیلی مذہب اَور نجدی اثر قبول کرنے کا اَور زیادہ کیا ثبُوت ہو سکتا ہے کہ جس کام کو کر کے ابھی ابھی مدینہ سے لَوٹے ہیں وُہ یہاں آتے ہی شرک ہو گیا۔ حج کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کو سفر کیا۔ سفر کی سختیاں جھیلیں۔ مصارف برداشت کیئے، جب زیارتِ قبرِ انور کر کے مکہ معظمہ آئے اَور نجدیوں کے فیضِ صحبت سے وہابیت اختیار کی تو یہی سفر شرک ہو گیا۔

اِن زائر صاحب کا تقویۃ الایمان میں اِن الفاظ سے فتویٰ موجُود ہے :-

---

[1] تقویۃ الایمان مطبوعہ جید برقی پریس دہلی صـ ۴۸ سائز ۲۲×۱۸/۱۲

"اور کسی کی قبر یا چلّہ پر.... جانا اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا..... اور اُن سے کچھ دین و دُنیا کے فائدہ کی توقع رکھنی، یہ سب شرک کی باتیں ہیں"۔

سیّد احمد اور مولوی اسمٰعیل کا سفرِ حج

۱۲۳۶ھ میں بروز عیدُ الفطر گھر سے روانگی ہُوئی اور پُورے ایک سال دو ماہ کے بعد ذی الحجہ ۱۲۳۷ھ کو حج کیا۔ چودہ مہینے سفر میں لگے۔ جس میں رائے بریلی سے کلکتہ اور کلکتہ سے جدّہ اور جدّہ سے مکّہ معظمہ تک کا سفر ہو پایا۔ جدّہ اور کلکتہ میں کلکتہ ہی ایسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں زیادہ قیام ہوا ہو گا۔ شاہی مہمان ہوتے ہوں گے۔ لارڈ ہیسٹنگ سے ملاقاتیں ہوتی ہوں گی اس سفر کے متعلق مفید مشورے ہوتے ہوں گے۔ کچھ ہدایات ملی ہوں گی۔ دعوتیں ہوتی ہوں گی۔ اگر ادھر ہی سے جانا ہوا ہے جیسا کہ قرائن پائے جاتے ہیں تو چودہ مہینہ کا وقت یوں لگا۔ اور ۱۲۳۷ھ میں حج ہو پایا۔

محرم ۱۲۳۸ھ میں مکّہ معظمہ سے مدینہ منوّرہ کو روانگی ہوئی۔ یہ شدِ رحال اور سفر زیارتِ روضۂ اقدس کے سلسلہ میں ہوا جو اَب تک اُن کے خیال میں بھی ہر حاجی پر لازم تھا۔ اور جب یہ مدینہ پاک سے بجائے جدّہ کے مکّہ معظمہ لوٹے اور سات مہینہ تک نجدیوں سے تبادلۂ خیالات ہوتا رہا اور اُنھوں نے نجدیوں کا مذہب قبول کر لیا تو یہی سفر شرک قرار پا گیا۔

مدینہ پاک سے واپس ہونے والے عموماً جدّہ آتے ہیں اور وہاں سے وطن کی راہ لیتے ہیں۔ مگر یہ کیسے وطن لَوٹتے۔ اِس واسطے کہ جس کام کی بدولت مکّہ مدینہ دیکھنے کو ملا ہے وُہی نہ ہوا تھا۔ اَب مکّہ پہنچ کر اُس کی مہورت آئی اور سات آٹھ مہینے مکّہ میں رہ کر اُس کام کی تکمیل کی یعنی اِس دَوران میں نجدیوں سے تبادلۂ خیال ہوتا رہا اور مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کے طریقے سیکھتے رہے نہیں فرقہ واریت

پیدا کرنے کے طریقے سکھائے گئے ہوں گے۔ اِس اسکیم کو چلانے کے اصُول بتائے گئے ہوں گے۔ اور باور کرا دیا گیا ہو گا کہ عوام میں جب تک مذہبی اِختلاف رُونما نہ ہو گا فرقہ واریت نہ پیدا ہو گی۔ اور فرقہ واریت پر ہی تمہاری کامیابی کا مدار ہے اِس فرقہ واریت سے جب مسلمانوں میں پھُوٹ پڑ جائے گی۔ اور وُہ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے تو ایک گروہ کا اپنا لینا بہت آسان ہو جائے گا۔ اس مقصد کے لِئے کتاب التوحید بہت موزُوں ہے۔ جس نے عرب میں بہت جلد فرقہ واریت پیدا کر دی۔ اِنہیں عقائد کی اشاعت سے ہندوستانی مُسلمانوں میں پھُوٹ پڑ سکتی ہے۔

چُنانچہ ہندوستان آ کر مولوی اِسمٰعیل صاحب نے جو پہلا کام کیا وُہ یہ تھا کہ اُسی کتاب التوحید کو اُردُو لباس پہنایا۔ اس کا نام "تقویۃ الایمان" رکھا۔ اور اس کے ذریعہ سے کتاب التوحید والے عقیدے پھیلائے۔ اِسی "تقویۃ الایمان" کا ایک حصّہ صراطِ مستقیم[1] ہے جسے بر بنائے شہرت "انسائیکلو پیڈیا آف اِسلام" کے انگریز مصنّف مارگیو لیتھ نے وہابیہ ہندوستان کا قرآن لکھّا ہے۔ اس کو مسعُود عالم صاحب ندوی نے اپنی کتاب "ہندوستان میں پہلی اِسلامی تحریک" کے صفحہ ۲۷ پر نقل کیا ہے۔

اَب پھر اُسی جگہ آ جائیے۔ سات آٹھ مہینے نجدیوں کا فیضِ صحبت اُٹھا کر بقول پادری ہوجیز وہابیت کے اصُول سیکھ کر اور مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کے طریقے سیکھ کر آخر ذی القعدہ میں یہ لوگ مکّہ معظمہ سے روانہ ہُوئے۔ ان کی روانگی سے دس پندرہ روز بعد ہی دُوسرا حج ہونے والا تھا۔ دُوسرا حج تیار چھوڑ کر یہ لوگ وطن کو روانہ ہُوئے۔ یا تو وطن سے وُہ بے نیازی تھی کہ بلا وجہ سات آٹھ ماہ مکّہ میں رہے تو

[1] نام میں غلطی مارگیو لیتھ سے ہوئی یا مسعُود عالم کی روشنیِ مطبع کا نتیجہ ہے۔ ہو نہ ہو وہابیہ ہند کا قرآن تقویۃ الایمان ہی کو لکھّا ہو گا اس واسطے کہ ان کے اِمامِ ربانی نے بھی اسی کو سراہا ہے۔ ۱۲

وطن نہ یاد آیا، اور اب حج نفل کے لئے پندرہ سولہ روز نہ رہا گیا۔ اس واسطے کہ آخر ذی القعدہ میں روانگی ہوئی اور ۹۔ ذی الحجہ کو دوسرا حج ہو رہا تھا۔ یہ بات بھی معمّہ سے کیا کم ہے۔ ورنہ مجبوراً یہاں یہ کہنا پڑے گا کہ حج کی ان لوگوں کی نگاہ میں اگر کوئی اہمیت ہوتی۔ اور صرف حج بیت اللہ کی غرض سے یہ طویل سفر کیا ہوتا تو دوسرا حج تیار چھوڑ کے ہرگز نہ چل پڑتے بلکہ ضرور کرتے۔ لوگ تو حجِ فرض کرنے کے بعد بھی ہندوستان سے حجِ نفل کرنے کئی کئی بار جاتے اور ہر بار حجِ نفل ہی کر کے آتے ہیں اور ہر بار حجِ نفل کے لئے حجِ فرض جیسی سفر کی صعوبتیں اور پورے مصارف برداشت کرتے ہیں۔

یہ وہاں سے ایسے وقت روانہ ہوئے کہ مکّہ معظّمہ کے گلی کوچے صدائے لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ سے گونجنے لگے ہوں گے۔ ایک دنیا ہوگی خانۂ کعبہ کے اِرد گرد گھوم گھوم کر پروانہ وار قربان ہو رہی ہوگی۔ مکّہ کی ساری آبادی میں خصوصاً حرمِ محترم میں احرام پوش حاجیوں کا ایک سیلاب ہوگا جو ہر وقت ٹھاٹھیں مار رہا ہوگا۔ اور دنیائے اسلام کے ہر گوشہ سے مسلمان اُمڈا چلا آ رہا ہوگا۔ ایسے دلچسپ اور دلرُبا منظر کو چھوڑ کر یہ گروہ مکّہ معظّمہ سے نہ معلوم کیوں چل کھڑا ہوا۔ اور اس گروہ نے ان تمام نعمتوں کو کیوں ٹھکرا دیا۔ جس کا مولوی مسعود عالم ندوی نے "پہلی اسلامی تحریک" میں یوں تصنّع کیا ہے۔ "ذی القعدہ ۱۲۳۸ھ کو بادلِ محزون و دیدۂ پُرنم علماء و صلحاء کا یہ گروہ وطنِ مالوف کی طرف چل کھڑا ہوا۔"

پھر اُسی زمانہ میں واپسی کے لئے جہاز تیار ملنا معنے دارد کہ در گفتن نمی آید۔ ہو نہ ہو دوسرا حج تیار چھوڑ کے عین وقت پر واپس ہونے والے قافلہ کی روانگی کا انتظام پہلے ہی سے مکمل کر لیا ہوگا ورنہ اس حج و زیارت تک جدّہ ہی پڑا رہنا پڑتا اور جب لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو کر لوٹتے تو بادبان چلتے۔ اس لئے کہ اُس وقت دُخانی جہازوں کی بڑی قلّت تھی۔ اور عام طور پر حاجی بادبانوں ہی سے سفر کرتے تھے جو

صرف ایک پھیرا کر سکتے تھے۔ لے دے دُخانی جہاز تو وہ حکومت ہی کے کام سے فارغ نہ تھے۔ وہ تو کسی کارِ خاص ہی کے وقت کام میں لائے جا سکتے تھے۔

ندوی صاحب کا کہنا ہے کہ "۱۲۳۹ھ کو یعنی تین برس کی غیر حاضری کے بعد یہ قافلہ پھر اپنی منزل پر واپس آ گیا۔ مجاہدین کے کرم فرما سر ولیم ہنٹر فرماتے ہیں۔ "سید احمد کو مکّہ معظّمہ سے نکالا گیا اُن کے ساتھ برا برتاؤ کیا۔" ہم اس کے برعکس دیکھتے ہیں کہ وہ حج کے بعد بھی سات آٹھ مہینے (مکّہ معظّمہ میں) اقامت فرما ہیں اور بلادِ حرم کے ممتاز علماء آپ کے فیضِ صحبت سے مشرّف ہو رہے ہیں۔ غلط بیانی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔"

ندوی صاحب غلط بیانی والا جملہ تو آپ ہی کے تصنّع پر فِٹ آتا ہے اس واسطے کہ جب سیّد احمد صاحب نے بر بنائے شرک حرم شریف کے امام کے پیچھے نماز تک چھوڑ دی، اپنی جماعت الگ کرنے لگے تو اہلِ مکّہ اس گروہ سے سخت متنفر ہو گئے ہوں گے سمجھانے پر بھی نہ ماننے تو ممکن ہے کہ نکالتے وقت پا بدستِ دیگرے دست بدستِ دیگرے کی نوبت آ گئی ہو۔ شاید اسی مجبوری سے تیار حج چھوڑ کے بیک بینی و دو گوش بھاگنا پڑا ہو۔ اس وقت ندوی صاحب کے یہ الفاظ "بادلِ محزون و دیدۂ پُرنم علماء و صلحاء کا یہ گروہ وطنِ مالوف کی طرف چل کھڑا ہوا" بھی سج جاتے ہیں۔ مگر مکّہ معظّمہ سے نکالے جانے کی ذِلّت ماننی پڑتی ہے۔ اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ قدرتی طور پر دوسرے حج سے محروم کر دیئے گئے۔ اور یہ قرینِ قیاس بھی ہے کہ ایک شخص امامِ حرم کو مشرک سمجھ کر اُس کے پیچھے نماز تک نہیں پڑھتا تو اہلِ مکّہ کو اُس سے کتنی نفرت ہونی چاہیئے۔ اور آپ کا یہ جملہ کہ "بلادِ حرم کے ممتاز علماء آپ کے فیضِ صحبت سے مشرّف ہو رہے ہیں"۔ غلط بیانی کی تمام حدود کو پار کر گیا۔

سیّد احمد کی علمی استعداد

علماء کا مستفیض ہونا اُس جاہل سے جس کی نسبت مرزا حیرت اپنی کتاب "حیاتِ طیبہ" میں لکھتے ہیں :-

"وُہ (سید احمد) جب ایک جُملہ کو گھنٹوں جپتے جاتا تب کہیں کسی قدر یاد ہوتا اور دُوسرے دن تماشا یہ ہوتا کہ وُہ بھی چوپٹ۔ جب یہ کیفیّت ہوئی تو والدین اور میاں جی کی تنبیہ بڑھنے لگی۔ گھر کی جھڑکی اور آنکھیں نکالنے سے گزر کر مار پیٹ پر نوبت پہنچ گئی۔ اس سے بھی والدین کی آرزو پُوری نہ ہُوئی۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ قدرتی طور پر اُس کے مُنہ میں قفل لگ گیا ہے۔ اور کسی طرح کی تنبیہ سے بھی نہیں پڑھ سکتا تو ناچار ہُوئے پڑھنے سے اُٹھا لیا۔"

تواریخ عجیبہ صہ ۵ میں ہے :-

"آپ کو تحصیلِ علم کی رغبت ہی نہ تھی اِس کی طرف بالکل توجہ نہ کرتے تھے۔"

آپ خود بھی اُسی اِسلامی تحریک کے صہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔

"آپ نے رسمی تعلیم کم پائی۔ مشیّت کو کچھ اور کام لینا تھا۔ معلّموں نے لاکھ جتن کئے پر آپ کی طبیعت مدرسوں کی فرسُودہ تعلیم کی طرف مائل نہیں ہُوئی۔"

اُسی حیاتِ طیبہ صہ ۲۷۱ میں ہے کہ :-

"(سیّد احمد) کی بچپن میں کیا پُوری عنفوانِ جوانی میں بھی لکھنے پڑھنے کی طرف طبیعت رجُوع نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ انتہائی غبی کُند ذہن ہونے کی وجہ سے علم کی دولت سے کورے اَن پڑھ رہے۔"

یہ سب قصّے حرف شناسی کے وقت کے معلوم ہوتے ہیں یعنی آپ کے متعلق حرف شناسی کی ساری کوششیں بالکل ناکام رہیں۔ تو سیّد احمد کا معیارِ علم یہ تھا

اَب ندوی صاحب اس جاہل بلکہ دُشمنِ علم سے ممتاز علماء حرم کا فیض[۱] حاصل کرنا دُنیا کو بتا رہے ہیں۔ یہ ہے آفتاب کو دِیا دِکھانا۔ مسعُود عالم صاحب ندوی اپنی اِس غلط بیانی کی اِنتہا بتائیں کہ "بلادِ حرم کے ممتاز علماء آپ کے فیض سے مشرف ہو رہے ہیں"۔ اِس ملمّع سازی کی بھی کوئی اِنتہا ہے۔ پھانس کو بانس بنانے میں انگریز کو کمال تھا۔ مگر ایک گہرے کھڈ کو ہمالیہ کی چوٹی سے بلند دِکھانا ندوی صاحب ہی کا کمال ہے۔

"جہاد" کی اسکیم

اَب پھر وہیں آجائیے۔ اَب یہ گروہ کیل کانٹے سے درست ہوکر ہندوستان آگیا اور کلکتہ سے اسکیم جہاد شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے جہاد کے مبلّغ بہار و بنگال میں (یعنی خالص انگریزی عملداری میں جہاں پہلے سے انگریز کے پنجے گڑ چکے تھے) پھیلا دیئے گئے۔ اور تمام شہروں، قصبوں، دیہاتوں میں سکھّوں کے خلاف دھوّاں دھار تقریریں ہونے لگیں۔ اور اِس انوکھے جہاد کے سنگِ بُنیاد کتاب التوحید کو اُردو لباس پہنا کر تقویتہ الایمان کے نام سے منظرِ عام پر لایا گیا۔ اس کی اشاعت سے مسلمان یہاں بھی دو گروہوں میں بٹ گئے۔

یہاں مغلیہ سلطنت کے زوال سے مسلمان بے حد سراسیمہ تھا۔ اور راہِ عمل کی تلاش میں تھا۔ انگریز کے خلاف جو تحریکِ[۲] جہاد چل رہی تھی مسلمان اُس کی تیاری

[۱] ندوی صاحب نے یہ بھی نہ بتایا کہ ممتاز علمائے حرم جو ہر وقت سید احمد صاحب سے فیض حاصل کرتے تھے تو اُردو میں سوال جواب ہوتے تھے یا عربی میں اگر اُردو میں ہوتے تھے تو علماء حرم اُردو کیا جانیں اور عربی میں ہوتے تھے تو ہمارے تاریخی جاہل سید احمد عربی سے بالکل بے بہرہ تھے۔ عربی کا ایک لفظ نہ جانتے تھے وہ تو حرف شناس تک نہ تھے فیض والا معاملہ شاید اشاروں ہی سے انجام پاتا ہوگا۔ الا لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔

[۲] یہ تحریک مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی و دیگر علماء اہل سنت کی سرکردگی میں چل رہی تھی۔

میں مصروف تھا۔ اب جو اُن کے مبلّغوں نے مُسلمان کے سامنے سکھّوں کے مفروضہ و غیر مفروضہ مظالم رکھے تو اُس نے فوراً ہی سر سے کفن باندھ لیا اور سرحد کی طرف چل پڑا۔ جہاد کی تقریروں میں نجدیت و وہابیت کی بھی برابر تلقین ہوتی رہی اور اہمیتِ جہاد کے ساتھ وہابیت بھی دلوں میں بیٹھتی چلی گئی۔

مبلّغین سکھّانِ پنجاب کے دردناک مظالم سے سامعین کے دلوں میں رقّت پیدا کرتے اور ان کے نرم دلوں میں کتاب التوحید کے عقیدے اُتار دیتے کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کے مضامین ایک ہی ہیں۔ صرف زبان کا فرق ہے۔ یہ دیکھئے:-

اِبنِ عبدالوہاب کتاب التوحید میں

[۱] اعلموان الشرك قدشاع فی هذا الزمان [۲] فانا نری مومنی هذا الزمان مشرکا [۳] فواحد یعتقدالنبی ومتبعه حیث یعتقدهم شفعائه واولیائه هذا اقبح انواع الشرك

[۴] ان من اعتقدالنبی وغیره ولیه فهو وابوجهل فی الشرك سواء

مولوی اِسمٰعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں

[۱] اوّل سننا چاہیئے کہ شرک لوگوں میں پھیل رہا ہے [۲] ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور شرک میں گرفتار ہیں [۳] یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو سفارشی [۱] سمجھ کر بھی پُوجے وُہ بھی مشرک ہے۔

[۴] جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے اور اُس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور شرک میں برابر ہیں۔

---

[۱] مسلمان جو شفاعت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو پھر شہداء و اولیاء علماء صلحاء حفاظ و غیرہم کو شفیع مانتے ہیں جو احادیثِ نبی کریم سے ثابت ہے۔ یہ ہی ماننا ان وہابیوں کے عقیدے میں ان حضرات کا پُوجنا ہے ورنہ کوئی مسلمان معاذ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام و اولیاء و علماء و شہداء کرام وغیرہم کو کہیں پوجتا ہے۔ درحقیقت ان کے عقیدے میں ہر ادب و تعظیم پُوجا ہے۔ ادب و تعظیم کی ان کے عقیدے میں کوئی گنجائش نہیں ع

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب، کے مصداق یہ ہی ہیں ۱۲

[۵] وهذا الاعتقاد شرك سواء كان من نبی او ولی او ملك او جنی او صنم او وثن وسواء كان یعتقد حصوله بذاته او باعلاه الله تعالیٰ له ای طریق كان یصیر مشرکا۔

[۵] سو اِس عقیدے سے آدمی مُشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے خواہ پیر و شہید سے یا اِمام و اِمام زادے سے یا بھُوت پریت سے، خواہ یُوں کہ یہ بات اُن کو اپنی طرف سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے ہر طرح شرک ثابت ہو جاتا ہے۔

علمِ غیب سرکارِ رسالت کے متعلّق ابنِ عبدالوہاب کا عقیدہ کتاب التوحید میں

فهذه الآیات وامثالها صریحة فی اختصاص علم الغیب بالله ونفیه عن غیره فمن اثبت لغیره نبیا کان او ولیا او صنما او وثنا او ملکا او جنبا فقد اشرك بالله۔

علمِ غیب کے متعلّق اِسمٰعیل دہلوی کا عقیدہ تقویۃ الایمان میں

سو اس طرح علمِ غیب کا دریافت کرنا کہ اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے دریافت کر لیجئے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ کسی نبی ولی جنّ، فرشتہ کو بھُوت و پریت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (پھر کہا) اور جو کوئی نبی و ولی کو یا جنّ و فرشتہ وغیرہ کو ایسا جانے اور اُس کے حق میں یہ عقیدہ رکھے سو وُہ مشرک ہو جاتا ہے۔

فمن فعل بنبی او ولی او قبره او اثاره ومشاهده ومایتعلق به شیئاعن السجود والرکوع وبذل المال له والصلوٰة والتمثل قائما والسفرالیه والتقبیل والرجعة القهقری

پھر جو کوئی پیر پیغمبر یا بھوت پریت کو یا کسی کی سچی قبر کو یا کسی کے تھان کو یا کسی کے چلہ کو یا کسی کے مکان کو یا کسی کے تبرّک کو یا کسی کے نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے نام کا روزہ رکھے

وقت التودیع وحزب الحسا وادخاء
الستار والستر بالثوب والدعاء
من الله ھٰھنا والمجاورۃ والتعظیم
حوالیہ واعتقاد کون ذکر غیر اللہ
عبادۃ وتذکرہ فی الشدائد ودعائہ
نحو یا محمدؐ یا عبد القادر یا حداد یا
سمان مارمشرکا۔

یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہووے یا جانور چڑھاوے
یا ایسے مکانوں میں دُور دُور سے قصد کر
کے جاوے یا وہاں روشنی کرے غلاف
ڈالے چادر چڑھاوے ان کے نام کی
چھڑی کھڑی کرے رُخصت ہوتے وقت
اُلٹے پاؤں چلے اُن کی قبر کو بوسہ دے
مورچھل جھلے قبر پر شامیانہ کھڑا کرے۔
چوکھٹ کو بوسہ دے، ہاتھ باندھ کر اِلتجا کرے مُراد مانگے مجاور بن کر بیٹھ رہے۔ اَور اِسی قِسم کی باتیں کرے تو اس پر شِرک ثابت ہو جاتا ہے۔

طوالت سے بچنے کے لِئے یہاں چند عبارتوں پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔ کم سے کم اِتنا سمجھ لینے کے لِئے یہی کافی ہیں کہ کتاب التوحید اَور تقویۃ الایمان کی تصنیف سے مقصُود اَور ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اَور وُہ توہینِ سرکارِ رسالتؐ اور مُسلمانانِ عالم کو مُشرِک کہنا۔ اِسی لِئے اِن دونوں مصنّفوں کے نزدیک ہر اَدب و تعظیم کو شِرک کہنا ضروری ہے۔ اَور اَدب و تعظیم کرنے والوں پر حکمِ شِرک لگانا بھی ضروری ہے۔ غرضیکہ ہر چھوٹے بڑے اَدب کی اِس نئے دین میں کوئی گنجائش نہیں جب کہ ہر اَدب ہر تعظیم اِس دینِ جدید میں شِرک ٹھہری تو جو وہابیّت اِختیار کرے۔ اُسے بڑا بے اَدب اَور بڑا گستاخ ہو جانا بھی ضروری ہے اَور یہی تجربہ بھی ہو رہا ہے۔

نجدیّت کا ہندی ایڈیشن

مولوی مسعُود عالم صاحب ندوی نجد و ہندوستان کی ان دونوں تحریکوں کو ایک تحریک کہنے سے بہت چِڑتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی کتاب "پہلی اِسلامی تحریک" میں بہت

دُکھیا دُکھیا کے کئی جگہ یہ شکوہ بھی کیا ہے "پہلی اِسلامی تحریک صہ۱۲ پر ہے۔" اپنوں اَور غیروں تمام حلقوں میں یہ کوشش کی جاتی رہی ہے کہ نجد کی دعوتِ توحید و اِصلاح سے اِس (ہندوستان کی وہابیّت) کا ڈانڈا ملا دیا جائے۔ ہر چند کہ دونوں تحریکوں کا سرچشمہ (کتاب وسُنّت) ایک ہے اَور رُجحانات بھی مِلتے جلتے ہیں۔" اِسی کتاب میں صفحہ ۲۲ پر ہے:۔

"سیّد احمد بریلوی اَور اِسمٰعیل شہید دہلوی کے ماننے اَور نقشِ قدم پر چلنے والوں کو بھی وہابیّت کے لقب سے یاد کیا گیا حالانکہ انہیں نجد کے موحدین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

ندوی صاحِب نے اپنی چِڑ کی وجہ سے اپنے بزرگوں کی بزرگی بھی مِلیامیٹ کر دی۔ مولوی عبید اللہ سندھی جو اُسی سندھ کے رہنے والے ہیں جہاں ہندوستان کے انگریزی مجاہدین کا مدّتوں کیمپ رہا اَور جہاد کے قریب تر زمانے کے لوگ ہیں وہابی جماعت میں اوّل درجہ کی شخصیّت بھی رکھتے ہیں۔ وُہ اگر ہندوستانی وہابیت کو نجدی وہابیّت اَور ہندوستانی تحریکِ جہاد کو نجدی تحریکِ جہاد کا ضمیمہ بتائیں تو اُن کی بات قرینِ قیاس مانی جائے گی۔ آپ کی چرب زبانی سے وُہ آپ کے مقابلہ میں جھُوٹے نہ کہے جائیں گے۔ آپ اُن کو دیکھئے اَور اپنی اس چرب زبانی کو دیکھئے۔ "یہ گنہگار سیّد صاحب کی تحریکِ جہاد کو ہندوستان کی پہلی اِسلامی تحریک سمجھتا ہے۔ اَور مولٰنا سندھی کی طرح ان کی دعوت کو کسی اندرُونی یا بیرُونی تحریک کا ضمیمہ خیال نہیں کرتا۔"

سندھی صاحِب نے یہ مسئلہ تو طے ہی کر دیا کہ ہندوستان کا جہاد نجد والے جہاد کا ضمیمہ تھا تو ہندوستانی وہابیت نجدی وہابیت کا ضمیمہ خود ثابت ہو گئی اِس واسطے کہ نجد والے جہاد کا بنیادی پتھر وہاں کتاب التوحید ہوئی اِسی کتاب التوحید

نے بضرورتِ جہاد ہندوستان میں جنم لیا تو تقویۃ الایمان کہلائی اور یہی بقول سر ولیم ہنٹر
ہندوستان میں وہابیہ کا قرآن بنی۔ انتہا ہو گئی۔

ندوی صاحب مولوی عبید اللہ سندھی پر آپ کا طعن چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔
وہ جہاد سے قریب تر زمانے کے مقامی آدمی تھے۔ اور آپ کی ساری جماعت انہیں
ذمہ دار آدمی سمجھتی رہی۔ اُن کے مقابلہ میں آپ کی لفاظی کون ماننے لیتا ہے لطف
یہ ہے کہ آپ نے خود بھی اپنی "پہلی اسلامی تحریک" کے صفحہ ۲۲ پر اقرار کیا ہے۔ "شیخ
الاسلام کی کتاب التوحید اور مولانا شہید کی تقویۃ الایمان بہت کچھ ایک دوسرے
سے ملتی جلتی ہیں۔"

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بات صاف ہو گئی کہ تقویۃ الایمان میں درحقیقت انہیں
عقائد کی اشاعت کی گئی ہے جو کتاب التوحید میں ہیں بلکہ ہندوستان کو اس تحریکِ
وہابیت (فرقہ واریت) سے تقویۃ الایمان ہی نے روشناس کرایا ہے انہیں نجدی
عقائد پر مبلغینِ جہاد کی تقریریں اُن عقائد کے پھیلاؤ کے لئے نیم پر کریلا ہو گئیں۔ جہاد
کے واعظوں میں ملک کے طول و عرض میں وہابیت پھیلی۔ جہاد کے وعظوں میں
ملک بھر میں کتاب التوحید کے عقائد کی اشاعت ہوئی جس سے مسلمانوں میں
تفرقہ پڑا۔

انگریز کے خلاف علماء اہلِ سنت (مولانا فضل حق خیر آبادی و مفتی عنایت احمد
صاحب وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم) کی سرکردگی میں جو جہاد کی روح پھونکی جا چکی تھی
جس کے اقدام کے لئے مناسب وقت کا انتظار ہو رہا تھا اس جہاد کا تیار سرمایہ
(مجاہد اور روپیہ) اس انگریزی جہاد میں لگ گیا۔ سید احمد و اسمٰعیل صاحبان نے انگریز
کا سہارا پاتے ہی نعرۂ جہاد بلند کر دیا اور سکھوں کے مفروضہ مظالم نے لوگوں کے
دل میں برقی اثر پیدا کر دیا مسلمان جوق در جوق ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔

انگریز سکھوں کے مسلمانوں پر ہولناک مظالم کی داستان تیار کر کے پروپیگنڈے کے
لئے سید احمد و اسمٰعیل صاحبان کو دیتا۔ یہ دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ انگریز سے اچھا پروپیگنڈا
کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ وہ پھانس کو بانس بنانا خوب جانتا ہے۔ اس کا تیار کیا ہوا
پروپیگنڈا ہوتا اور ان کے اداکار (مبلغینِ جہاد) تصویرِ غم بن کر ادا کرتے جس سے
سننے والے مسحور ہو جاتے۔ اس ترکیب سے انگریز نے طویلہ کی بلا ٹالی۔ اس ترکیب
سے اس نے اپنے خلاف ہونے والے جہاد کا رُخ سرحد و پنجاب کی طرف پھروا دیا اور
یہ پیٹ انہیں دو پیٹ ہنوں کے ہاتھوں سے لٹوایا گیا۔ آخر یہی ہوا کہ ملک کی حفاظت
کے لئے انگریز کے خلاف جو جہاد کی فضا تیار کی گئی تھی اُس کا سارا سرمایہ (مجاہدین
اور روپیہ) پنجاب و سرحد میں لگ گیا۔ جہاد کی دھواں دھار تقریریں اور فلک شگاف
نعرے اُسی علاقہ میں شب و روز ہوتے رہے جہاں انگریز کے پنجے خوب گڑ چکے
تھے یعنی بنگال و بہار میں ان دونوں صوبوں میں تو آگ سی لگی ہوئی تھی جس کی گرمی
سے بے حد آدمی اور روپیہ نکل پڑا۔

جہاد کی تیاری۔ انگریزی علاقہ میں

تواریخ عجیبہ ص۸۹ میں ہے "اُس وقت ہر قصبہ، شہر، ہر گاؤں واقع برٹش انڈیا
(انگریزی عملداری) واقع ہند میں علانیہ سکھوں پر جہاد ہونے کا وعظ ہوتا تھا۔ براہِ
دور اندیشی معرفت غلام علی صاحب رئیس اعظم الہ آباد نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر
اضلاع مغربی و شمالی کو بھی اس تیاری جہاد کی اطلاع دی گئی تھی جس کے جواب
میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کوئی اندیشہ نہ ہو۔
ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں" اس کے کچھ ہی بعد ہے۔ "جب سید احمد ملک یاغستان
(خالص اسلامی خطہ) سے جہاد میں مصروف تھے۔ اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار

روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مُرسلہ مولوی محمد اسحٰق صاحب بنام سیّد صاحب روانہ ہوئی تھی۔ ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر اُس سات ہزار روپے کا دعویٰ عدالت دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری ہوا۔" حیاتِ طیّبہ صـ۳۰۸ میں ہے۔ "نواب ٹونک نے بھی دس بیس ہزار روپے شاہ اسحٰق صاحب کی معرفت بھیجے۔"

حیاتِ طیّبہ صـ۳۰۱ "روپیہ بھی بکثرت جمع ہو چکا تھا اور ہوتا چلا جاتا تھا۔ اور نئی تحریک ممالک مغربی و شمالی میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جب یہ مہیب تحریک پھیلی تو ضلع کے انگریزی حکام اس سے چوکنے ہوئے اور اُن کو خوف معلوم ہوا کہ کہیں ہماری سلطنت میں تو رخنہ نہ پڑے اور موجودہ امن میں تو کسی قسم کا خلل نہ واقع ہو۔ اس نظریہ سے ضلع کے حکام نے حکامِ بالا کو لکھا وہاں سے صاف جواب آگیا کہ ان لوگوں سے ہرگز مزاحمت نہ کرو۔ ان مسلمانوں (سیّد احمد و اسمٰعیل صاحبان) سے اور ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔"

حیاتِ طیّبہ صـ۲۹۷ میں ہے "سیّد احمد صاحب نے سکھوں پر جہاد کرنے کے لئے مختلف شہروں میں خلیفہ مقرر کئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ قصبہ در قصبہ اور گاؤں بگاؤں وعظ کہتے پھریں اور سکھوں پر جہاد کرنے کے لئے روپیہ جمع کریں۔ چندہ جمع کرنے والوں کا دارالخلافہ پٹنہ کو سمجھنا چاہیئے جہاں سب سے زیادہ گرمجوشی سے چندہ جمع ہوا تھا اور بنگالہ کا ایک حصّہ اپنی جان اور دھن قربان کرنے کو آمادہ تھا۔"

انگریز بڑی گہری پالیسی کا مالک تھا۔ سیّد احمد صاحب سے اس جہاد کے بارے میں خیمہ میں جو قرارداد ہوئی تھی اُس نے تو اس قدر راز میں رکھی کہ کسی ضلع کے حکام کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اور جب حکامِ ضلع نے اس جہاد کی ہول پکار سے گھبرا کر رپورٹیں کیں تو حکامِ ضلع کو حکامِ بالا سے جواب وُہ ملا جس سے وُہ اصل معاملہ سے اب بھی تاریکی میں رہے۔ اُنہیں گورنروں نے یہ لکھ کر ٹال دیا کہ

"اس گروہِ مجاہدین کی مزاحمت نہ کرو ہم سے ان سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔"

سُلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے انگریز جہاد کے نام سے لرزہ براندام ہوتا تھا۔ اور یہاں تو جہاد کی وُہ ہول پکار تھی کہ کان پڑی آواز نہ سُنائی دیتی تھی۔ اور انگریزی علاقہ ہی جہاد کی کارروائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ باوجود اس کے انگریز اس جہاد سے بہت خوش تھا۔

یہ دُنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا جہاد ہوا کہ جہاد تو مسلمانوں نے کیا اور ایک بڑی اسلامی سلطنت پر قبضہ کافر کا ہوا۔ مسلمانوں کی جانیں ضائع ہونے سے کافر ہی نے فائدہ اٹھایا اور ان کا مال بے دریغ تباہ ہوا۔

خیمے کی سازش

حیاتِ طیّبہ صـ۲۹۴ مطبوعہ فارُوقی میں ہے۔ "لارڈ ہیسٹنگ سیّد احمد صاحب کی بے نظیر کارروائیوں سے بے حد خوش تھا۔ دونوں لشکروں (انگریزی فوج اور امیر خان پنڈاری کا لشکر) کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں تین آدمیوں کا معاہدہ ہوا۔ لارڈ ہیسٹنگ[1]۔ سیّد احمد[2]۔ امیر خان پنڈاری[3]۔" سیّد احمد صاحب نے امیر خاں کو جو بعد میں نواب ٹونک ہوا (انگریزوں کی اطاعت کے لئے) شیشہ میں اُتارا تھا۔"

مرزا حیرت ہمیں خیمہ تک پہنچا کر چل دیئے۔ یہ نہ بتایا کہ ان تینوں میں خیمہ کے اندر کیا معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی کسی مؤرخ نے ہوا تک نہ دی۔ سمجھے یہ تھے کہ ہماری طرح سب سفہاء الاحلام ہیں۔ یہ نہ سمجھے کہ "تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں"۔ مبصرین نے جب معاہدہ کے متعلق غور و خوض کیا تو سب سے پہلے معاہدہ کی حقیقت پر نظر ڈالی۔ معاہدہ درحقیقت مستقبل کے لئے ہوتا ہے۔ تو یقین جان لیجئے کہ

اِن تینوں نے جو کچھ مستقبل میں کیا وُہی ان کے آپس میں معاہدہ ہوا تھا۔

سید احمد صاحب نے ہندوستان سے منچلا جوان نکالا اور سرحد و پنجاب میں لڑایا اس سے مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کے جہاد کا رُخ پلٹا۔ انگریز کے بجائے مسلمان کا عزمِ جہاد سرحد و پنجاب کی طرف ہو گیا۔ ہندوستان جنگجو جوانوں سے خالی ہوتا رہا۔ انگریز کو ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کسی بڑی مزاحمت کا خطرہ نہ رہا اور ہندوستانی جوان کے سرحد و پنجاب میں لڑنے سے وُہ دونوں بھی کمزور ہو گئے۔ اُن پر بھی انگریز کو قبضہ آسان ہو گیا۔ انگریز نے رفتہ رفتہ ہندوستان سے مغلیہ حکومت کا بستر سمیٹا اور اپنا قبضہ جمایا۔ امیر خاں نے ٹونک کا نواب ہو کر انگریز کی ایجنٹی کی سید احمد کی آدمی اور رُوپے سے مدد کی۔ یہ تھا ان سب کا معاہدہ اور اس کا عمل درآمد۔

معاہدین باہمی مشاورت سے اپنے مستقبل کو کامیاب بنانے کے لِئے تقسیمِ کار بھی کر لیتے ہیں۔ اور ہر اسکیم کو کامیاب بنانے کے لِئے تھوڑی تھوڑی ذمہ داریاں سب پر رکھی جاتی ہیں۔ یوں اشتراکِ عمل سے سب معاہدین مستقبل میں اپنی اپنی اسکیم شروع کرتے ہیں۔ اِس تگڈم میں جو جو معاہد چابکدست اور چالاک ہوتا ہے۔ وُہ اپنی اسکیم کو سو میں سو کامیاب بنا لیتا ہے اور جو ناتجربہ کار اور سادہ لوح ہوتا ہے وُہ اپنی حماقت سے مصیبت ہی اُٹھاتا ہے کامیابی تک نہیں پہنچ پاتا۔ آئیے اب معاہدہ پر ذرا تفصیلی نظر ڈالیں۔

معاہدہ عموماً اہم کاموں میں ہوتا ہے اور انہیں مقاصد میں معاہدہ ہو سکتا ہے جو آپس میں ٹکراتے نہ ہوں اور ہر ایک کا دلی مقصد دُوسروں کے مقاصد سے جدا ہو ورنہ آگے چل کر آپس میں ٹکراؤ کا اندیشہ رہتا ہے۔ اب ان معاہدین کے مقاصد سوچیے کہ کیا ہو سکتے تھے۔ انگریز کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ وُہ بِلا لڑے بڑی آسانی سے ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ امیر خاں پنڈاری کے پاس عزّت

کا اُس وقت تک وجُود نہ تھا اور اُس کا مستقبل بھی بالکل تاریک تھا تو اُس کا مقصد دُنیا کی نگاہ میں عزّت حاصل کرنا اور اپنا روشن مستقبل بنانا ہی ہو گا۔ سید احمد صاحب بے روزگاری سے تنگ آکر امیر خاں پنڈاری کے لشکر میں شامل ہوئے تھے اِس وقت اُن کا روزگار اور ذریعہ معاش وُہی تھا جو اور پنڈاریوں کا تھا۔ اور وُہ روزگار آج اس معاہدے کی رُو سے ختم بھی ہو رہا تھا۔ اُن کے لئے اِس معاہدہ میں روزگار مہیّا کرنا بھی ضروری تھا۔ تو انگریز نے اِس معاہدہ کا ایسا نقشہ تیار کر دیا کہ سب اپنے اپنے مستقبل سے مطمئن ہو گئے اور سب کے سب کام سے بھی لگ گئے۔ سیّد احمد صاحب چونکہ نرے جاہل تھے۔ اور اُن کے ہاتھ میں کوئی ہُنر بھی نہ تھا تو اُن کے اور اُن کے ساتھی پنڈاریوں کے لئے وُہی قتل و غارت اور مار دھاڑ انگریز نے تجویز کی اور اُسی نے اُس کا نام جہاد رکھا ہو گا۔

اِس جہاد کے ذریعہ سے انگریز کو مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ والے جہاد کا رُخ سرحد و پنجاب کی طرف پھیر کر اپنی موت ٹالنے کا موقع ملا۔ اِس واسطے کہ اُس جہاد کی تیاری ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لِئے ہو رہی تھی۔ اور اُس کی تحریک خفیہ خفیہ سارے ہندوستان میں پھیل چکی تھی کسی مناسب وقت کا اِنتظار ہو رہا تھا۔ لہٰذا انگریز نے سید احمد کو مسلمانوں پر سکھوں کے دردانگیز اور شرمناک مظالم سُنا کر اِس جہاد کے لِئے تیار کیا اور اُن سے وامے۔ درمے۔ قلمے۔ قدمے غرضیکہ ہر طرح مدد دینے کا وعدہ کیا ہو گا۔ اور اُس وقت کی برٹش انڈیا (بہار و بنگال) سے مدد دلانے کا وعدہ کیا ہو گا۔ اِسی لِئے اِس جہاد کے مرکز بھی پٹنہ صوبہ بہار اور کلکتہ صوبہ بنگال میں قائم کراتے ورنہ یوپی وغیرہ میں سید احمد کی مزاحمت ہو جاتی اور رہے سہے مغلیہ سلطنت کے حکّام و جاگیرداران اور عام مسلمان اِس تحریک کے آڑے آتے۔ اِس تحریک کے مرکز انگریز کی قلمرو میں رہنے سے اُسے یہ بھی اطمینان رہا کہ کام پر اُس کی

نگرانی بھی رہے گی اور اُس کے لِئے کسی خطرہ کا بھی اِمکان نہ رہے گا۔

انگریز نے ان سب پنڈاریوں کو حج بھی کرا دیا جس میں نجدیوں نے ان کو مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کے طریقے سکھا کے اُن کی آتشِ شوق کو اور تیز کر دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے ہندوستان آتے ہی خیمہ کی قرار داد (جہاد) پر عمل شروع کر دیا۔ سب سے پہلے بہار و بنگال میں خود دَورے کِئے۔ مبلّغ پھیلائے مسلمانوں پر سکھوں کے بے پناہ مظالم منظرِ عام پر لاتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ وہابیت کی تبلیغ ہوتی چلی۔ جو مجاہد اور رُوپے انگریز کے خلاف جہاد کے لِئے تیار کِئے گئے تھے وُہ سب سرحد کو چلتے کِئے گئے۔ جنگجو جوان سے جیسا جیسا ہندوستان خالی ہوتا گیا انگریز ہندوستان پر اپنا قبضہ جماتا گیا۔ یہ ہوُا انگریز اور سید احمد کا اِشتراکِ عمل۔

امیر خاں کو ٹونک کی نوابی مل گئی تھی۔ اب وُہ امیر خاں پنڈاری نہ تھا بلکہ فرزندِ دلپذیر دولتِ انگلشیہ نواب امیر خاں صاحب بہادر بالقابہ تھے۔ عزّت و دولت کی اُس کے لِئے فراوانی تھی۔ وُہ انگریز کے ایجنٹ تھے جو راجپوتانہ کے دماغ میں انگریز کی ٹھوکی ہوئی ایک کیل سمجھے جاتے تھے۔ اُن سے تو سارا راجپوتانہ دورِ پنڈاریت ہی میں گھبراتا تھا، کانپتا تھا۔ اب اُن کی وجہ سے انگریز سے بھی راجپوت ریاستوں کو جھکنا پڑا ریاستوں کو ہر وقت اندیشہ رہتا تھا کہ انگریز اگر ناراض ہوُا تو وُہ امیر خاں سے لُوٹ مار شروع کرا دے گا۔ امیر خاں نے بھی سید احمد کی رُوپے اور آدمی سے برابر مدد کی۔

سید احمد صاحب سرحد و پنجاب میں اپنی حکومتِ الٰہیہ قائم کرنا چاہتے تھے پشاور میں حکومت قائم بھی کرلی تھی جس کے سارے عہدے دار پٹھانوں نے کاٹ ڈالے اور پنجاب فتح ہونے کا خواب (جو خدا کا پختہ وعدہ بتایا گیا تھا) شرمندۂ تعبیر نہ ہوُا۔

اس معاہدہ کے نتیجہ میں انگریز بلا شرکتِ غیرے سارے ہندوستان کا بادشاہ ہوُا اور نواب امیر خاں والئ ٹونک ہوُا اور اپنی نسل کے لِئے اِتنی بڑی ریاست چھوڑ گیا۔

رہے سید احمد تو اُنہیں نہ پنجاب ملا نہ سرحد۔ اُن کے باقیات صالحات میں صرف وہابیت رہ گئی جس نے مسلمانوں میں مستقل فرقہ واریت پیدا کر دی اور ہمیشہ کے لِئے مسلمانوں کے قومی اِتحاد کو تباہ کر دیا۔

یہ تھی اسلام کی تجدید اور یہ ایسی نشاۃ ثانیہ ہوئی تھی جسے انگریز نے سید احمد اور امیر خاں سے مل کر تیار کیا تھا۔ اِس نشاۃ ثانیہ والے جہاد میں کٹا۔ لُٹا۔ پٹا مسلمان ایک انچ زمین پر خلافتِ الٰہیہ قائم نہ ہو سکی بلکہ اس نشاۃِ ثانیہ کی برکت سے ایسٹ انڈیا کمپنی برطانیہ عظمٰی ہوگئی اور امیر خاں پنڈاری نواب ٹونک ہو گیا۔ ہاں مسلمان کا وُہ ہولناک ہتھیار (جہاد) اب انگریز کے ہاتھ میں تھا جس سے انگریز کا سر اُتارنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ اور اسی مقصد سے علماء اہلِ سنّت نے اس ہتھیار پر دھار رکھی تھی۔ خود جا کر دیکھ لو کہ اُسی ہتھیار سے مسلمانانِ سرحد کی گردنیں کٹ کٹ کر گر رہی ہیں۔ انگریز کو سب سے بڑی مسرّت اس بات کی تھی کہ اب ہندوستان میں اُس کا کوئی مزاحم نہ تھا جو مُغلیہ سلطنت کو بچانے کے لِئے انگریز کے خلاف مورچہ لگاتا۔ اس لِئے کہ ہندوستان کا منچلا جوان جو اسلام و وطن پر قربان ہونے کو تیار ہو رہا تھا وُہ تو سر سے کفن باندھ کر سیدھا سرحد کی طرف ہو لیا اور جو رہ گیا اُس کی توجہ بھی سرحد ہی کی طرف تھی۔

انگریز نے بڑی احتیاط سے کام لیا کہ اس راز کو اُس نے فاش نہ ہونے دیا اور اپنا کام یعنی مغلیہ حکومت کا اِختتام بڑی خاموشی سے کرتا رہا اور یہ دونوں (سید احمد و اسمٰعیل صاحبان) اس قدر ناتجربہ کار اور سادہ لوح تھے کہ سرحد و پنجاب میں مسلمانوں کا جان و مال تباہ کراتے رہے اور بجائے خدا کی مدد کے انگریز ہی کی دلچسپی ان کے شاملِ حال رہی۔

انگریز کی طرف سے سیّد احمد کی ناز برداریاں

سید احمد صاحب کے ساتھ انگریز کی گہری دلچسپی کا عالم ملاحظہ ہو سیرت سید احمد

میں ہے۔" اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ انہوں نے یعنی حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لیے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر رکھے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع کی کہ حضرت قافلہ کے ساتھ تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں گے۔ اطلاع پا کر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ تیار کرانے کے بعد لایا ہوں۔"

سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ کھانا لے کر قافلہ میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹے ٹھہر کر چلا گیا۔" انگریز کا اس قدر خوشامد و لجاجت کرنا اور ان مجاہدین کی انتہائی مدارات کرنا جس میں انگریز نے اپنے معمول کے خلاف اپنی خود داری بھی ختم کر دی۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ انگریز اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کا خواہش مند تھا کہ یہ سارا گروہ جہاد پر لگا رہے کوئی بد دل نہ ہونے پائے۔

تواریخ عجیبہ صت ۸۶ میں ہے" سرکارِ انگریزی اُس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں (اور پٹھانوں کا) زور کم ہو۔" غرضیکہ اس انسان نما شیطان اور وہابیوں کی سرکار انگریز نے فریقین کو لڑا کر خود گوشتِ بُز و دندانِ سگ کا تماشا دیکھا۔ انگریز کا جہاد کے لیے ان کو تیار کرنا اور لڑا دینا ان کی سرکار اور دُنیا کے سب سے بڑے مکّار انگریز کی لے شبیر اٹھی۔

ندوی صاحب کو اور گھر کے سب بھیدیوں کو ان باتوں کا بھی یقیناً پتہ ہو گا جو انگریز نے دو تین گھنٹے بیٹھ کر کیں اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے ان میں کیا قرارداد ہوئی۔ ناظرین کو اب تو یقین کر لینا چاہیئے کہ اس جہاد کی فکر انگریز کو بھی مجاہدین سے

کم نہ تھی۔ وُہ اِس جہاد کی بقا کے لیے ہر ممکن تدبیر کر رہا تھا۔ اُن کی اگر جان پر بنی تھی تو اُس کے بھی دِل کو لگی تھی۔ آخر یہ سارا گروہ اُسی کی خاطر تو جان کی بازی لگا رہا تھا۔ اُس نے حسب قرار داد مالی اِمداد بھی کی ہو گی اور فوجی اِمداد بھی ذرا ڈھکے چھُپے الفاظ سے ثابت ہے۔ مگر ہے یہ کہ جب تک اُسے اِس جہاد کی ضرورت محسوس رہی وُہ میدانِ جنگ میں اِن مجاہدین کے قدم جمائے رہا۔ جب اُس کے قدم ہندوستان میں خوب جم گئے اور اُس کو ان کی حاجت باقی نہ رہی تو اُس نے حسبِ عادت ان کا بھی سیاہ جھنڈیوں سے اِستقبال کیا۔ یہ تو دُنیا جانتی ہے کہ انگریز آدمی کو لیمُو کی طرح اِستعمال کرنے کا عادی رہا ہے۔ جب تک لیمُو میں عرق ہے وُہ دستر خوان کی زینت ہے۔ اور عرق ختم ہوا تو پھینک دیا گیا۔ یہ دونوں حکومت کے لالچ میں ایسے کھوئے گئے کہ انگریز کی چال ہی نہ سمجھے۔ وُہ ان سے اپنا ہی کام لیتا رہا۔ یہ سمجھتے رہے کہ وُہ ہمارے کام آ رہا ہے۔ یہ بھُولے بھُگے سادہ لوح اُس کی گہری پالیسی کو کیا سمجھتے۔

اِن چیلوں کو تو سرکارِ الٰہی نے سفہاء الاحلام اور حداثُ الاسنان فرما دیا ہے۔ اِس واسطے کہ سیّد احمد کی کُل عمر ۴۶ سال کی ہُوئی اور اِسمٰعیل صاحب پچاس سال کی عُمر میں مارے گئے۔ یہ وُہ وقت تھا کہ ساٹھا سو پاٹھا مانا جاتا تھا تو حداثُ الاسنان ہی ہُوئے۔ عیار انگریز خود مداری بنا اور ان دونوں کو مداری کی لکڑی کی طرح اِستعمال کرتا رہا۔ ان کا اِستعمال سکھانِ پنجاب یا سرحدی پٹھانوں پر صرف انگریز کی حرکت تھی۔ ورنہ اپنی جڑ کون کاٹتا ہے۔ اِن دونوں سے جو انگریز کا گٹھ جوڑ ہوا تھا۔ اِن دونوں نے اپنی سادگی سے اُس سلسلہ میں بھی فحش غلطی کی۔ اُنہوں نے حج سے لوٹ کر منظرِ عام پر انگریز سے اپنی عقیدت مندی اور وابستگی کا اپنی تقریروں میں بار بار اعلان کیا۔ انگریز نے آخر دم تک اِس راز کو راز ہی رکھا حالانکہ یہ بھاپ ان کے مُنہ

سے نکالنے کی ہرگز نہ تھی۔

انگریزوں سے جہاد نہ کرنے کا فتوے[۱]

مُلاحظہ ہو تاریخ عجیبہ صـ۷۳ـ " یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثناء قیامِ کلکتہ میں جب ایک روز مولٰنا (اسمٰعیل صاحب) وعظ فرما رہے تھے تو ایک شخص نے ان سے فتوٰے پوچھا کہ سرکارِ انگریزی سے جہاد کرنا دُرست ہے یا نہیں"۔ اس کے جواب میں اُنہوں نے فرمایا۔" ایسی بے رُو و رِیا غیر متعصب سرکار سے کِسی طرح جہاد کرنا درست نہیں"۔

اِسی سلسلہ میں حیاتِ طیبہ کا صفحہ ۲۹۶ بھی ملاحظہ ہو۔" کلکتہ میں مولٰنا اِسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ شروع کیا ہے اُور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے۔ تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریز سے جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا کہ ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ہے۔ ایک تو ہم ان کی رعیّت ہیں۔ دُوسرے ہمارے مذہبی ارکان ادا کرنے میں وُہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ بلکہ اُن پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وُہ اُس سے لڑیں۔ اَور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ نہ آنے دیں"۔

یہ تو امیرِ شریعت کی کج رَوی تھی۔ اَب پیر صاحب کی سادہ لوحی مُلاحظہ ہو تواریخ عجیبہ صـ۷۳ـ پر ہے۔" ہم سرکارِ انگریزی پر کِس سبب سے جہاد کریں اَور خلافِ اصُولِ مذہب طرفین کا خُون کیوں بہائیں"۔

---

[۱] ان حضرات کی دین فراموشی اَور ابن الوقتی اَور سیاسی ذہنیت ملاحظہ ہو۔ اُس وقت جب کہ مسلمان انگریزوں پر جہاد کرنے کو تیار ہو رہا تھا۔ یہ انگریز کی غلامی کر رہے تھے۔ کِس کِس طرح مسلمانوں کو بے وقوف بنایا انگریزوں سے اُن کا رُخ پھیر کر کدھر کو کر دیا۔ دونوں سے روپیہ کمایا۔ مسلمانوں سے بھی انگریز سے بھی۔ نہ صرف اِتنا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تواریخ عجیبہ صـ۸۲ـ میں ہے۔" اِس سوانح اَور نیز مکتوباتِ منسلکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب کا (اپنی) سرکارِ انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز اِرادہ نہ تھا۔ اَور وُہ اِس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔ اَور اس میں شک نہیں کہ سرکارِ انگریزی اُس وقت سیّد احمد صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سیّد صاحب کو مدد نہ پہنچتی۔ مگر سرکارِ انگریزی اُس وقت دِل سے چاہتی تھی کہ سکھّوں (اَور پٹھانوں) کا زور کم ہو"۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے اس کی بھی ایک حد تک تصدیق ہو گئی کہ حضرت مولٰنا

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) ہی بلکہ انگریز سے جہاد حرام کر دیا۔ خلافِ اصُولِ مذہب بتایا۔ انگریزوں کی تعریفیں کر کے اُنہیں سرکار مان کے، اپنی گورنمنٹ کہہ کہہ کے اپنے آپ کو اُن کی رعیّت بتایا۔ ان حضرات کو اِس حد تک احساسِ کمتری تھا تو انگریز سے کیا لڑتے۔ مسلمانوں کے دلوں سے انگریزوں کی نفرت نکالی اور محبت کی شراب پلائی۔ ان عبارات سے روشن و مبرہن ہے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید جس میں غدر کے وقت اپنے متعدد بزرگوں اور میاں رشید احمد وغیرہ کی انگریزوں پر جان نثاری، انگریزوں کی حمایت میں مُسلمانوں سے جنگ کرنا۔ انگریز کو سرکار۔ رحم دل اَور مسلمانوں کو باغی کہنا اَور اس پر فخر کرنا۔ اَب جیسے کانگریسی دَور آیا تو ان کی ڈینگیں دیکھیے اَب کہتے ہیں کہ ہم ہی ہیں جنہوں نے علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ انگریز جیسے دُشمنِ اِسلام اَور حربی کافر کو پیر و مُرید دونوں نے بربنائے خلوص و حسنِ عقیدت سرکار ہی کہا۔ انہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشاد لاتقولوا للمنافق سید فقد اسخطتم ربکم اور من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام جس نے مبتدع کی توقیر کی اُس نے اِسلام کو ڈھانے میں مدد دی معلوم ہی نہ تھا یا اِس فرمان کی پرواہ نہ کی۔ یا کہہ دیں گے کہ انگریز مبتدع و منافق نہیں۔ کیوں ندوی صاحب اَور مودودی صاحب یہ ہیں آپ صاحبان کے مجدّد اَور اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کرنے والے جنہیں دین کے معمولی مسائل بھی نہیں آتے کیا آپ کو اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے ان سے اچھا کوئی نہ مِلا۔ ہاں ذرا یہ بتایئے کہ وُہ فیوض و برکات کِس دِین کے تھے جو علماء حرم اُن سے حاصل کرتے رہے اِسلامی مسائل تو یہ ان سے خود بے بہرہ ہیں۔ ہندوستان میں اِسلام کی پہلی تحریک کہیئے یا اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ نام رکھیئے۔ وُہ خواجہ معین الدین اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصّہ میں آچکی۔ اَب کِسی دُوسرے کا نام لینا اُن کا مُنہ چڑھانا ہے۔ بعد کے اولیائے کرام اُنہیں کے نقشِ قدم پر چلے ہیں تو آپ اُن جیسوں کی اپنی کتاب کے صـ۴۴ـ پر تحقیر کر چکے ہیں" خانقاہوں میں بیٹھ کر جوگیوں کی طرح مالا جپنے والے"۔ ہندوستان میں اِسلام اُن مالا جپنے والوں ہی کے فیض و برکت سے پھیلا ہے۔ اَور اُن کی تحقیر محسن کُشی ہے۔ اِسلام کے لِئے سب سے پہلے اَور سب سے زیادہ کام سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا۔

فضل حق صاحب خیر آبادی و حضرت مفتی عنایت احمد صاحب و دیگر علماء اہل سنت رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریکِ جہاد (جو انگریز کے خلاف چل رہی تھی) پہلے ہی سے مسلمانوں کے دل میں گھر کر چکی تھی جو خاص انگریز کی راجدھانی کلکتہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب کو عام مجمعوں میں عوام نے ٹوکا کہ انگریز سے جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ حالانکہ اس تحریک کا مرکز یو۔پی میں تھا مگر اُس کا پھیلاؤ پُورب میں بنگال تک ہو چکا تھا اور مغربی ہندوستان میں تو اُن کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت برابر جہاد کی خفیہ تحریک میں مصروف ہی تھی سلطنتِ کابل سے بھی اُن کے نام و پیام ہو رہے تھے۔ حضرت مولٰنا فضل حق صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ میں بعض ایسی تحریریں بھی پیش ہُوئیں جن کی بناء پر اُنہیں عبورِ دریائے شور کی سزا ہوئی۔

صحیحین (حیاتِ طیبہ و تواریخ عجیبہ) کی مذکورہ بالا روایتیں صحیح ہیں تو ہندوستان بھر میں سب سے پہلے ٹوڈی اور ٹوڈیوں کی صفِ اوّل میں سب سے آگے کھڑا کرنے کے لائق سیّد احمد و اسمٰعیل صاحبان ہی تھے۔ اور انگریز کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے والوں کی اگر فہرست تیار کی جائے تو مولٰنا فضل حق صاحب خیر آبادی کا نامِ نامی سرِ عنوان آتا ہے۔ اُن کا وطن سے دُور سرزمین انڈمان میں آسُودہ ہونا ہی اُن کے محبّ دین و وطن اور مجاہدِ اعظم ہونے کی دلیل واضح ہے۔

یہ بڑا ظلم ہے کہ جنہوں نے مدت العمر انگریزوں کی تعریفوں کے گیت گائے اُس کی دعوتیں کھائیں۔ انگریز مُغلیہ سلطنت کو ان کی آنکھوں دیکھے مٹیا رہا۔ اُنہوں نے اُدھر آنکھ کھول کر بھی نہ دیکھا۔ بلکہ مغلوں کی اسلامی حکومت کے مٹنے میں انگریزوں کو اُلٹی مدد دی اور انگریز کو تا حیات عادل سرکار ہی جانا۔ اُن کا نمک کھایا۔ آج کل کے وہابی اتنا نہیں سمجھتے کہ جن کے نزدیک انگریز پر جان دینا فرض تھا وہ انگریز سے خود لڑکر اور دوسروں کو لڑا کر ارتکابِ کفر کرتے کیا یہ پکّی ٹوڈیّت نہیں۔

اگر ان حضرات کی دخل در معقولات نہ ہو جاتی تو جہاد وُہ ہوتا جس کی مولٰنا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ تیاری کر رہے تھے۔ اُس جہاد میں ربُّ العزّت ضرور مدد فرماتا اِس واسطے کہ وُہ رضاءِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے ہو رہا تھا۔ اور چُونکہ وُہی ملک و ملّت کے لیے صحیح پیغام آزادی تھا اِس لیے ہندوستان کے غیر مُسلم بھی اُس میں مسلمان کے دوش بدوش آتے وُہ ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لیے ہو رہا تھا اور یہ ہندوستان میں انگریز کو جمانے کے لیے ہوا۔

خیر ان حضرات سے تو اپنے عیُوب بھی نہ چھپائے گئے۔ اپنی عادل سرکار انگریز کے گیت گاتے اور مسلمانوں کو سلطنتِ برطانیہ پر قربان ہو جانا فرض بتایا اور محض اِس وجہ سے کہ یہ حضرات حکومت کے منہ چڑھے تھے۔ پکے ٹوڈی تھے۔ کوئی ان کے منہ نہ آسکا۔ یہ خود اِتنا نہ سمجھ سکے کہ اگر مسلمان سمجھ گیا کہ یہ نام نہاد جہاد سیّد احمد صاحب اور انگریز کے مشترکہ مفاد کے لیے ہو رہا ہے اور مذہب کی آڑ سے ملک گیری کے لئے یہ جنگ لڑی جارہی ہے تو جان دینے کے لیے ایک مسلمان بھی تیار نہ ہوگا۔ چنانچہ اپنے جذبہ سے یا انگریزی اغراض کے ماتحت پہلے یاغستانی مسلمانوں پر نفاق کا لیبل لگا کر اُن پر حملہ[1] کیا گیا۔ اور عام مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے جو کوششیں جاری ہوتی رہیں اُن کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ تواریخ عجیبہ ص ۱۰۵ میں بحوالہ منظورۃ السعداء ہے۔

بادراز مویاں جو یاں مقابلہ ایم نہ با	ترجمہ:۔ صرف سکھوں سے ہمیں لڑنا
کلمہ گویاں و اسلام جو یاں و نہ بہ سرکارِ	ہے نہ مسلمانوں سے اور نہ سرکارِ
انگریزی۔	انگریزی سے۔

[1] سب سے پہلے سیّد احمد صاحب افغانستان کا نفاق نوکِ شمشیر سے مٹانے چلے تھے جس کا اپنے ہاتھ سے مٹنا اپنے ایک الہام میں نشر کر چکے تھے لہٰذا جہاد کا آغاز اور مجاہدین کا پہلا حملہ امیر یار محمد خان پر ہوا۔

تواریخ عجیبہ صفحہ ۲۳۶ میں ہے:۔

کہ نہ باکسے از امراء مومنین منازعت و نہ باکسے از مومنین مخالفت باکفار لئام مقابلہ داریم و نہ مدعیان اسلام جویاں و نہ بہ سرکارِ انگریزی مخاصمت و نہ ہیچ راہ منازعت۔	ترجمہ۔ نہ مسلمان امیروں سے کوئی جھگڑا ہے اور نہ کسی مسلمان سے مخالفت ہے۔ کفار لئام سے ہمارا مقابلہ ہے نہ مسلمان سے اور نہ سرکارِ انگریزی سے کوئی جھگڑا نہ اُس سے لڑنے کا کوئی پہلو۔

پہلا حملہ مسلمانوں پر

سیّد احمد صاحب کا انگریز کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے کا پول تو ان روایتوں سے کھل گیا۔ اَب ذرا ندوی۔ مودودی۔ وہابی صاحبان یہ بتائیں کہ ان مجاہدین کا پہلا حملہ جو امیر یار محمد خاں پر ہوا تو وُہ درازمویان میں سے تھے یا کفار لئام میں اُن کا شمار تھا۔ اَور بعد میں جن جن مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی گئی وُہ کِن میں داخل کیئے گئے۔ اَور آخر میں پنج تار کے رئیس فتح خاں رحمۃ اللہ علیہ سے جو معرکہ ہوا جس میں مولوی اسمٰعیل صاحب نے کسی غازی کے دستِ حق پرست سے جامِ مرگ نوش فرمایا اَور یہیں سے سیّد احمد صاحب غائب ہو گئے یہ مسلمان کن کفاّر میں شمار ہوں گے کفار لئام ہیں یا درازمویاں ہیں؟ یہ کہیئے کہ یہ جہاد ہی لندن مشن کا جہاد تھا۔ اَور اس میں از اوّل تا آخر انگریز ہی کی گندی پالیسی کار فرما رہی۔ مغالطہ اَور چار سو بیس ہی سے کام چلایا گیا۔ چنانچہ یہ جہاد آج تک مغالطہ ہی بنا ہوا ہے۔ اِس میں مُسلم کشی زیادہ ہوئی ہے۔ جسے جہاد بتایا جا رہا ہے۔ بالآخر جیسا جہاد تھا ویسا ہی انجام ہوا۔ اَور جہاد سے جو مُراد تھی وُہ پُوری ہو کر رہی باوجودیکہ لُٹا، کُٹا، پٹا مسلمان اَور بادشاہ بنا انگریز۔ یہ ہندوستان سے جیسا جیسا جنگ جُو جوان نکالتے رہے انگریز مغلیہ سلطنت کا بستر سمیٹتا گیا اَور اپنا قبضہ جماتا گیا۔ یہاں کے

ہزاروں مُسلمانوں کی جانیں صرف سرحد و پنجاب کو کمزور کرنے کے کام آئیں۔ تو وُہ بھی ایسے کمزور ہو گئے کہ چند ہی روز میں ان دونوں صوبوں پر انگریز قابض ہو گیا البتہ جہاد کی آڑ سے وہابیت (جو یہاں بھی اَب تک ملک گیری کا ایک انچھر تھی) سارے ہندوستان میں پھیل گئی اَور لوگوں کی غلط کاری سے وہابیت نے یہاں بھی مذہبی صورت اختیار کر لی جس کے پھیل جانے سے انگریزی حکومت کو بڑی تقویّت ہو گئی۔ ایک بڑا گروہ انگریز کے وفاداروں کا خود ہندوستان میں پیدا ہو گیا جس میں اِس گروہ کے امام ربانی طبیبِ رُوحانی، پیرو مُرشد، حاجی۔ عالم، حافظ اَور ان سب کے سارے ماننے والے شامل ہو گئے۔

حُرّیت پسندوں سے لڑائی

اِس گروہ کی جاں نثاری کی اچھوتی مثال تذکرۃ الرشید حِصّہ اوّل میں دیکھیئے۔ ایک مرتبہ ایسا بھی اِتفاق ہوا کہ حضرت اِمام ربّانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولٰنا قاسم نانوتوی اَور طبیب رُوحانی اعلیٰ حضرت حاجی اِمداد اللہ صاحب و نیز حافظ ضامن علی صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں (جنگِ آزادی کے علمبردار مسلمانوں جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے درپے تھے) سے مقابلہ ہو گیا۔ نبرد آزما جتھا (یہی اِمام ربانی۔ اعلیٰحضرت طبیب رُوحانی۔ پیرو مُرشد۔ عالم حاجی۔ حافظ) اپنی سرکار انگریز کے مخالف باغیوں (ہندوستان سے انگریز کو نکالنے والے مسلمانوں) کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹنے والا نہ تھا۔ اس لِئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا۔ اَور سرکار (انگریز) پر جاں نثاری کے لِئے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتّہ پانی اَور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے۔ وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لِئے جمِّ غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لِئے ہیں۔[۱]

ہندوستان بھر میں نمک حلالی اَور وفاداری کی ایسی کوئی دُوسری مثال ہی نہیں مِل سکتی

کہ انگریز کی عدم موجودگی میں جب کہ اُس کو علم و اطلاع بھی نہ ہو اُس پر وہابیت کے تمام نفوسِ قدسیہ قربان ہونے کو تیار ہو جائیں۔ یہ ہے اسلام کی وُہ نشاۃ ثانیہ جس پر دُنیائے وہابیت و مودُودیت کو بڑا ناز ہے۔ ان سب حضرات نے تو درحقیقت اپنی قربانیاں دے ہی دیں۔ یہ سُوءِ اتفاق ہے کہ اُس دن کمبلانہ ہوا ورنہ آج ہندوستان کی تاریخ میں ایک شاندار باب یہ بھی ہوتا کہ دُنیائے وہابیت نے اپنی سرکار انگریز پر ایسے ایسے جواہر پارے قربان کیے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ انگریز کے اِن مخلصین کے مقابلہ میں کسی خود غرض خان بہادر یا رائے بہادر کو ٹوڈی کہنے میں اُن کی بڑی حق تلفی ہے اور اُن کا منہ چڑھانا ہے۔ یہ ہیں وُہ دُھن کے پکّے "جنھوں نے خدا کی نہ مانی رسُول کی نہ مانی"۔ اپنے امیر طائفہ کی وصیّت پر بے لاگ عمل کیا۔ اِس واسطے کہ مولوی اسمٰعیل لکھ مرے تھے: "اگر اِن (انگریزوں) پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وُہ اُس (حملہ آور) سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ (برطانیہ) پر آنچ نہ آنے دیں"۔ یہ فرضِ مقدّس دینِ اسلام میں کہیں نہیں ملتا۔ یہ اِسی نئے دین کی پیداوار ہے۔

انصاف تو یہ ہے کہ یہ ٹوڈی والا خطاب اِس گروہ کا پیدائشی حق ہے۔ اور تا قیامِ قیامت انہیں کا حق رہے گا۔ کچھ انداز بتا رہا ہے کہ یہ نسل ہی ٹوڈی ہے جو ہمیشہ حکومتوں کی گود میں کھیلے گی۔ انگریز ہندوستان سے گیا۔ ہندوستان و پاکستان بنے۔ ان کے لئے خوانِ نعمت ہر جگہ بچھ گیا۔ اِس واسطے کہ ٹوڈیوں کی ہر حکومت کو ضرورت رہتی ہے۔ مسلم قوم جس کے یہ نمائندے ہیں اور جن کے صدقہ میں ان کا یہ سارا تزک و احتشام ہے اور عیش و عشرت ہے اُس کے لئے اُنہوں نے اَب تک جو کچھ کیا ہے وُہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں۔ ابھی آپ پڑھ بھی چکے ہیں کہ حکومت کی غلامی ان کی فطرت ہے تو قوم کو بھی حکومت کا غلام اور اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔ حتّٰی کہ یہ سب مسلم قوم کی تنظیم کے

بدترین دُشمن ہیں۔ وُہ مُسلم قوم کو آزاد قوم نہیں دیکھنا چاہتے۔ اُنہیں سرکار کی ناراضی کا اندیشہ ہے اور عیش و عشرت کے سامان ضبط ہونے کا خطرہ ہے۔

خیر اَب ہمیں پھر اُسی جگہ آجانا چاہئیے۔ اُن کی طرف سے اُن کے امامِ ربانی طبیبِ رُوحانی۔ پیر و مُرشد۔ عالم۔ حاجی۔ حافظ ان سب کا انگریزی حکومت کے ساتھ یہ رویہ رہا کہ انہیں کا ہر ایک فرد انگریز پر جان دینے کو تیار رہتا تھا اور اسی کو جہاد فی سبیل اللّٰہ خود سمجھتا اور دُوسروں کو سمجھاتا رہا۔

انگریز کی خباثت

اَب ذرا انگریز کی خباثت مُلاحظہ ہو۔ اُس کی ساری ہمدردیاں صرف ہندوستان پر قبضہ مستحکم ہونے تک رہیں اور مطلب نکل جانے کے بعد اُس نے مجاہدین کو بھی دھتا بتائی اور اُن کو حرفِ غلط کی طرح میٹ دیا۔ اُس وقت اُسے شرم بھی نہ آئی کہ یہ کون لوگ ہیں اور اُنہوں نے ہمارے ساتھ کیسا عظیم احسان کیا ہے۔ اپنی ضرورت نکالنے کے بعد انگریز ہی نے مجاہدین کا چراغ گُل کر دیا۔ اِس پر بھی ان حضرات کی وفاداری میں سرِ مُو فرق نہ آیا۔ اِس واسطے کہ جنگِ آزادی کے علم برداروں سے ان کے امام، پیر، عالم، حاجی، حافظ کا مقابلہ اور اپنی عادل سرکار کی بے لوث حمایت۔ یہ واقعہ مجاہدین اور انگریز میں بد دِلی شروع ہو جانے کے بعد ہی کا ہے۔

انگریز نے اپنے ان مخلصین سے اِتنی عیّاری ضرور کی کہ ان کے جہاد کا مرکز پٹنہ اور کلکتہ میں قائم کیا تاکہ یہ ساری تحریک اُس کے قابو میں رہے۔ اِس واسطے کہ یہ دونوں شہر ہی اُس وقت بہار و بنگال میں اُس کی حکومت کے مرکز تھے۔ اِس قتل و غارت کو جہاد بتایا جا رہا ہے جس کا ناظمِ اعلیٰ اور بانی انگریز ہی تھا اور اُسی نے اِس جہاد سے حسبِ ذیل فائدے حاصل کیے۔

۱۔ جو جہاد انگریز کو نکالنے کے لئے ہو رہا تھا وہ ختم ہو گیا اور مجاہدین انگریز کے آلۂ کار بن گئے۔

۲۔ مجاہدین کے سرحد و پنجاب کو کمزور کر دینے سے انگریز کو اُن پر قبضہ کرنا آسان ہو گیا۔

۳۔ جتنا جتنا ہندوستان سے جنگجو جوان یہ نکالتے گئے اُسی قدر انگریز کے ہندوستان میں قدم جمتے گئے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

اس انگریزی جہاد کے بعد مسلمان میں اتنی سکت ہی نہ رہی تھی کہ وہ پھر انگریز سے بھی جہاد کر سکتا مگر پھر بھی اُسی مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ خیر آبادی والے جہاد کی دبی ہوئی چنگاریاں تھیں جو ۱۸۵۷ء میں ہندو اور مسلمانوں میں بھڑک اٹھیں۔ اور اُسی صوبہ میں زیادہ بھڑکیں جس میں مولانا فضل حق رحمۃ اللہ علیہ کا وطن تھا۔ یہاں صرف انگریز سے جہاد ہوا۔ اور انگریز کی سکھ فوجوں نے ان سرحدی مجاہدین کے بدلے یہاں کے مسلمانوں سے بُری طرح لئے۔ انگریزی فوجوں نے یو۔پی کے مسلمانوں پر انتہائی مظالم توڑے۔ اس واسطے کہ ادھر کے مسلمان ابھی پنجاب میں سکھوں سے لڑ ہی رہے تھے تو آپ کا بدلہ یہاں ہم سے لیا جا رہا تھا اور مجاہدین خمیہ والے معاہدے کی پابندی کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے نہ کوئی مزاحمت کر سکتے تھے۔

یو۔پی میں انگریز سے مقابلہ ہوا جس میں ہندو و مسلمان، دونوں شریک تھے انگریز محض مجاہدین کی دو عملی کی وجہ سے غالب آ گیا۔ پھر کیا تھا۔ پھر تو ہندو و مسلمان کٹتا رہا۔ لٹتا رہا۔ پٹتا رہا۔ مٹتا رہا۔ سولیوں پر لٹکتا رہا مگر ہندوستان کے سپوت مجاہد سرحد و پنجاب میں بیکار لڑتے رہے۔ خوبی یہ کہ یہاں سے آدمی اور روپیہ برابر چلتا رہا۔ چالاک انگریز نے اپنی سرحد و

پنجاب والی اسکیم میں بھی فرق نہ آنے دیا۔ انگریزی علاقہ ہی سے روپیہ اور آدمی جنگِ آزادی کے موقع پر بھی سرحد و پنجاب کو چلتا ہی رہا۔ اگرچہ راستوں کے خطرناک ہو جانے سے ذرا کمی ہو گئی تھی۔ ان نفوسِ قدسیہ نے عام مجاہدین اور انگریزی مظالم جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے درمیان میں ایک آہنی دیوار کا کام دیا۔ اور مسلمان کو یہ سمجھنے کا بھی موقع نہ دیا کہ انگریز ہمارے وطن میں ابنائے وطن کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ ہمارے وطن کی عزت و عظمت کا خاتمہ کر رہا ہے۔ ہماری آزادی چھین رہا ہے۔ اور ہمیں غلامی کا طوق پہنا رہا ہے۔ آگے چل کر ہماری تمہاری نسلیں ہوں گی اور انگریزی بوٹ کی ٹھوکریں۔ یہ ہو رہی تھی اسلام کی تجدید اور اُس کی نشاۃ ثانیہ جس پر دُنیاء وہابیت و مودودیت کو بڑا ناز ہے۔ ندوی صاحب کے یہ نفوسِ قدسیہ ماہی گیر انگریز کے جال میں خود پھنسے اور سارے ہندوستان کو پھنسا گئے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں انہیں کی عادل سرکار انگریز نے دل بھر کے ہندو و مسلمان دونوں کاٹے۔ اور جب مجاہدین کی اُسے ضرورت ہی نہ رہی تو سرحد پر ان بھینٹ کے بکرے مجاہدین کو بھی اُسی انگریز نے موت کے گھاٹ اُتار دیا جس انگریز پر مسلمان کو جان قربان کرنا فرض تھی۔

وہ بڑا افسوسناک منظر تھا کہ بنگال و بہار کا مسلمان یو۔پی سے گزرتا ہوا سرحد و پنجاب میں جہاد کرنے جا رہا ہے اور یو۔پی کے بڑے بڑے معزز ہندوستانی مسلمان سولی پر لٹک رہے ہیں۔ مگر یہ بنگالی و بہاری مسلمان ان مظلوموں کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتا۔ اور اگر دیکھا تو ان مظلوموں پر ترس نہ کھایا۔ ہائے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں یو۔پی کے اکثر اضلاع انسانی کمیلا بنے ہوئے تھے۔ جہاں ہندو اور مسلمان گھروں سے بلا کر بلا دریغ کاٹے جا رہے تھے بقول شاہ ظفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ع جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ بھی قابلِ دار ہے

اس دوران میں بھی روپیہ اور آدمی بنگال و بہار سے سرحد و پنجاب کو چلتا ہی رہا۔

اُس وقت کسی کو اتنا ہوش نہ تھا جو ان جانے والے ٹوڈی بچوں سے اتنا کہتا کہ تم کہاں جھک مارنے جا رہے ہو۔ پہلے اپنے ملک کو اِس بلاء ناگہانی سے بچاؤ جو انگریز کی صورت میں ہندوستان پر نازل ہو رہی ہے۔ یہ مجاہدین اس نشأۃ ثانیہ کے نشہ میں ایسے مست تھے کہ یہ سمجھ بھی نہ سکے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور ہمیں اِس وقت کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں نے ٹھنڈے دل سے ہندوستان کی عزت و عظمت لٹتے دیکھی اور بطیبِ خاطر ہندوستانی قوم مٹتے دیکھی۔ مگر خود جا کر سرحد و پنجاب ہی میں کٹ مرے اور ندوی و مودودی اور وہابی صاحبان کے فخر کے لئے اِسلام کی یہ نشأۃ ثانیہ کر گئے۔

سادہ لوحی یا ہوسِ مُلک گیری؟

یا تو سب حسب اِرشاد سرکار رسالتؐ نرے سفہاء الاحلام تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِس کشمکش کی اِس قدر اہمیت سرحد و پنجاب کی حکومت حاصل کرنے کے لئے ہو رہی ہو۔ قرائن بھی یہی بتاتے ہیں۔ اِس واسطے کہ پنجاب کی حکومت کا دم دلاسا ان کے خدا نے دے رکھا تھا اور صوبہ سرحد میں پشاور سے حکومت قائم کرنا شروع بھی کر دی تھی۔

بقول مسعود عالم صاحب ندوی "پشاور میں اُنہوں نے اپنی حکومت بھی قائم کر لی تھی جس پر پٹھانوں نے ان کے حکام اور عاملین کا قتلِ عام کر دیا۔"

درحقیقت یہاں نجدی والا چکر ہی چل رہا تھا "مذہب کی آڑ سے مُلک حاصل کرو۔"

یہ واقعہ ہے کہ ان کا ارادہ مُلک گیری پہلے سے پٹھانوں کو معلوم نہ ہوا تو اُنہوں نے ان کا ساتھ دیا اور جب یہ دیکھ لیا کہ یہ ہمارے ہی گلے میں غلامی کا طوق پہنانے آئے ہیں تو وُہ برہم ہو گئے اور لڑ پڑے۔ اور پشاور میں اُنہوں نے جو "خلافتِ الٰہیہ" قائم کی تھی اُس کا اُنہوں نے تلوار کی دھار سے خاتمہ کر دیا۔ پھر کہیں اُن کی حکومت قائم نہ ہو سکی۔

ع نہ خُدا ہی مِلا نہ وصالِ صنم

یہ جہاد اگر حقیقی جہاد ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ وعدۂ الٰہی کا ایفا نہ ہوتا اور مودودی و ندوی والی خلافتِ الٰہیہ نہ قائم ہو جاتی جو صدیوں قائم رہتی۔

یہاں نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کٹا، پٹا، لٹا اور برباد ہوا مسلمان اور بجائے خلافتِ الٰہیہ قائم ہونے کے ایسٹ انڈیا کمپنی برطانیہ عظمیٰ بن گئی اور پنجاب و سرحد پر بھی انگریز قابض ہو گیا۔ انگریزی حکومت سے پنجاب کا الحاق اُسی زمانہ میں ہوا ہے جب کہ مجاہدین بھی سرحد میں مصروفِ جہاد تھے۔ مسلمانوں کی ہزاروں سے زائد جانیں ضائع ہوئیں اور کروڑوں سے زائد روپیہ برباد ہوا۔ مگر مذہب کی آڑ سے حکومت کسی ایک گاؤں میں بھی قائم نہ ہو سکی۔ چُونکہ اس جہاد میں خیمہ والی قرارداد کے پیشِ نظر انگریز کا مفاد مقدم تھا، تو اس جہاد کا سارا فائدہ بھی انگریز ہی کو ہوا۔ ان کی میٹھی مراد یہ آئی کہ وہابیت پھیل گئی۔ ابتداءً انگریز نے ان کا بڑا ساتھ دیا بلکہ مدتوں یہ جہاد اِسی کے بل بوتے پر ہوتا رہا۔

چنانچہ مولوی مسعود عالم ندوی بھی دبی زبان سے ڈھکے چھپے الفاظ میں خود بھی اس کے معترف ہیں۔ اپنی اِسلامی تحریک میں لکھتے ہیں۔ "پہلے کہیں گزر چکا ہے کہ کمپنی کی حکومت نے پہلے پہل مجاہدین کے آنے جانے کی کوئی روک نہیں کی۔"

اور سر ولیم ہنٹر ایک جگہ لکھتا ہے۔ یہی ندوی صاحب اس کے ناقل ہیں کہ "بعض کارخانوں کے ملازم اپنے انگریز مالکوں سے چھٹی لے کر جہاد کو جایا کرتے تھے۔"

اب یہ چار سو بیس ہنٹر صاحب کی ہے یا ندوی صاحب نے اپنی روشنیٔ طبع سے کام لیا ہے۔ اِس واسطے کہ اُس وقت ہندوستان میں انگریز کے کتنے میل[1] تھے اور ان میلوں میں کیا سامان تیار ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں اِیسٹ انڈیا کمپنی بھی تو کوئی میل نہ لگا سکی تھی نہ کہ کوئی دُوسری انگریز کمپنی میل لگاتی تو جو انگریز مالکوں سے اجازت لے کر اُن کے ملازمین جہاد کو جایا کرتے۔ یہ صاف نہیں کہتے کہ فوجی مسلمانوں کو کم از کم عام اجازت

[1] کارخانہ

ہوگی کہ جو فریضۂ جہاد میں حصّہ لینا چاہے وُہ اپنے انگریز افسران کی اجازت سے جہاد کو جا سکتا ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ فوجی سپاہیوں کو حسبِ ضرورت انگریزی حکومت بھیجتی رہی ہو۔ مگر یہ کہنے کی بات نہ تھی جو کوئی کہتا۔

ندوی صاحب اُسی اسلامی تحریک میں صفحہ ۱۲۸ پر لکھتے ہیں "کہنا یہ ہے اور صاف صاف کہ جب تک مجاہدین سکھوں سے اُلجھے رہے کمپنی کی حکومت خاموش اور غیر جانبدار رہی (یعنی گوشتِ بُز اور دندانِ سگ کا تماشہ دیکھا) کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے پر ترکوں نے نجد میں عمل کیا تھا۔ اُن کے اُستادوں (انگریزوں) نے یہاں اُس پر عمل کیا۔ مقصود یہ تھا کہ مجاہدین اور سکھوں کی آویزش میں سرکارِ عالی کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو رہے گا لیکن جُوں ہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے بُرا کوئی نہ تھا۔ پھر کوئی کسر نہ تھی جو اُن کے کچلنے کے لئے اُٹھا رکھی گئی ہو۔"

منظور[1] صاحب نعمانی اس معاملہ کو اِن دونوں سے زیادہ واضح کر گئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ "مشہور یہ ہے کہ آپ (سیّد احمد صاحب) نے انگریزوں کی مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں اُن کے ساتھ تعاون (ہر ایک کا دُوسرے کی مدد کرنا) کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض بعض موقع پر آپ (سیّد احمد صاحب) کی امداد کی۔"

غرض یہ ہے کہ انگریز اور سیّد احمد صاحب ایک دُوسرے کے معاون و مددگار رہے۔ ندوی صاحب تو صرف ناطرفداری تک آئے۔ سر ولیم ہنٹر نے درپردہ فوجی مدد بتائی۔ منظور صاحب نے انگریز کی اِمداد کا اعلان کر دیا۔

مولوی مسعُود عالم ندوی سے خطاب

آپ کے ہم خیال مصنّفین کی تحریروں میں بھی سچ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ مگر مِل جاتا ہے۔

---

[1] الفرقان شہید نمبر صفحہ ۷۹ بابت ۱۳۵۵ھ

آپ ضرور ایسے ماہرِ فن ہیں کہ آپ کی تحریر میں تلاش کے بعد بھی اگر کوئی سچ تک پہنچ جائے تو اُسے تلاش کرنے والے کا کمال جاننا چاہیئے۔ آپ اپنی غلط بیانی کو سچائی کا ایسا سُتھرا لباس پہناتے ہیں کہ سیدھے سادے مُسلمان اُس پر یقین کر بیٹھتے ہیں۔ ہمیں اگر آپ کی صحیحین (حیاتِ طیبہ و تواریخِ عجیبہ) کی عبارتیں نہ مِل جائیں تو ہم بھی دُنیا، وہابیت کے عوام کی طرح تلاش آب میں اسی سراب کی طرف دوڑتے نظر آتے اور آپ کے شہیدین کے جہاد فی سبیل اللہ کے گیت گاتے۔ وُہ تو صحیحین کی عبارتوں نے دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی کر دیا۔ اگرچہ اِن کتابوں میں بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی بعض جگہ اِن کتابوں کے مصنّفین کی سادہ لوحی نے ناظرین کو معاملہ فہمی میں کافی مدد دی ہے اور فحوائے کلام نے بھی کہیں کہیں راز فاش کر دیا ہے۔

ندوی صاحب آپ نے تو "ہندوستان میں پہلی اِسلامی تحریک" لکھ کر دُنیاء اِسلام کو تاریکی میں رہنے کی دعوت دی ہے اب پھر اسی عبارت پر غور کر لیجئے۔ "پہلے کہیں گزر چکا ہے کہ کمپنی کی حکومت نے پہلے تو مجاہدین کے (صرف) آنے جانے میں روک ٹوک نہ کی۔" جس پر ہنٹر صاحب اور منظور صاحب کی عبارتیں سامنے آئیں تو ندوی صاحب کے اِس جھوٹ کی نقاب کشائی ہوئی اور معلوم ہُوا کہ اِس جہاد میں مجاہدین کو انگریز ہی سے وابستگی تھی۔ مجاہدین اور انگریز کا اِس جہاد میں ایک ہی محاذ تھا۔

آئیے مجاہدین کی انگریز سے وابستگی اور عقیدت مندی کا جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہی معائنہ کر لیجئے۔ جب انگریز نے عام ہندوستانیوں پر خصوصاً مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے ہیں اور بے قصور ہندوستانیوں کی جماعتیں گھروں سے گرفتار ہو کر آئیں یا تو ایک صف میں بٹھا کر سب کی گردنیں مار دی جائیں یا گولیوں کا نشانہ بنا دیئے جاتے۔ شرفاء کے گھروں میں گھُس گھُس کر انگریز کی فوج مُسلم خواتین کا زیور نوچتی کھسوٹتی اُن کی آبروئیں لوٹتی۔ یہ سب اِن مجاہدین نے دیکھا تو آنکھ پھیر لی ہوگی۔ اور اگر سُنا تو

اَن سُنی کر دی ہوگی۔ اِس واسطے کہ یہ مظالم اُن کی عادل سرکار کر رہی تھی جس پر اِس دینِ جدید میں جان قربان کرنا فرض[1] تھا۔

یہ تو آپ کے مجدّد اور اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کرنے والے امیرِ شریعت کا عقیدہ تھا۔ آپ جو انگریز کو بُرا کہتے ہیں تو کیا یہ طویلہ میں لیتا و جیسا فعل نہ ہوا۔ اَور کیا ایک فرض سے اِنکار کرنے والا بد مذہب بد دین نہیں ہو جاتا۔ اگر آپ انگریز کے جاں نثار نہیں بلکہ اُس کی جاں نثاری کے منکر ہیں تو یاد رکھیئے کہ ایک فرض کی فرضیّت سے اِنکار آدمی کو آدمی سے کافر بنا دیتا ہے۔ کانگریس کا جب زور بندھا اَور انگریز کا زمانہ خراب ہوا تو حکمِ شرعی بدل گیا۔ جب انگریز پر جان دینا فرض تھی اَب انگریز کی جان لینا فرض ہو گئی۔ سیّد احمد صاحب و اِسمٰعیل صاحب کے زمانہ میں اُس فرض کی ضرورت تھی اَور اَب اِس فرض کی ضرورت پڑ گئی۔ ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

ایک عُذرِ لنگ اَور اُس کا جواب

آپ نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین کی عدم شرکت کا یہ عُذر کیا ہے کہ

---

[1] آپ کے دین میں فرض کی نوعیّت ہی جُدا ہے۔ آسمانی دین میں جو فرائض بتائے گئے ہیں وُہ شاہ و گدا عالم و جاہل۔ تاجر و مستاجر۔ شہری و دیہاتی۔ غرضیکہ ہر عاقل و بالغ مکلف اِنسان پر یکساں فرض ہوتے ہیں۔ نون کو آپریشن کے دَور میں بھی مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کرنے کا آپ کے دین میں ایک نیا فرض اترا تھا۔ ہجرت کی فرضیت کے فتوے شائع کیے گئے۔ اس کی فرضیت پر دھواں دھار تقریریں ہوئیں۔ ہجرت پر بڑے بڑے زور لگے۔ مگر اُس کی فرضیت غریب مسلمانوں تک محدُود رہی۔ مفتی صاحبان اَور ان کے خاندان اِس فرض سے مستثنےٰ رہے۔ ہزاروں غریب مسلمان کابل کو ہجرت کر کے تباہ ہو گئے اَور مفتی صاحبان ہندوستان ہی میں مُرغِ مسلّم پر ہاتھ مارتے اَور لات کھاتے رہے۔

"پچھلے دو ایک برسوں میں حضرت سیّد شہید اَور اُن کی تجدیدِ جہاد کے متعلق جہاں اَور غلط بیانیاں کی گئیں وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیّد شہید کی جماعت دہلی کی سلطنت کی کمزوری کو دُور کرنے کے لئے کھڑی ہو رہی تھی۔ حالانکہ سیّد صاحب اَور اُن کے مقصدِ جہاد کی اِس سے زیادہ تنقیص نہیں ہو سکتی۔ سیّد صاحب مکمّل اِسلامی نظام کے داعی تھے۔ دہلی کی حکومت کو ان کے بلند مقاصد سے کیا نسبت۔ کون نہیں جانتا ہے کہ دہلی کی حکومت خاندانی شخصی حکومت تھی اَور خلافتِ راشدہ کے نمونے پر حکومتِ الٰہی کی تاسیس کرنا سیّد صاحب کا نصب العین تھا۔"

واقعہ تو یہ تھا کہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے موقع پر مظلوم مسلمانوں کی صبر شکن مصیبتوں سے محض ذاتی غرض سے چشم پوشی مجاہدین اَور ان کے اُمراء و خلفاء پر ایسا شرمناک شرعی اِلزام ہے جس سے سبکدوشی نہ دُنیا میں ہو نہ عقبیٰ میں۔ اِس اِلزام کو اپنے نفوسِ قدسیہ کے سر سے ٹالنے کے لِئے ندوی صاحب نے یہ ساری چار سو بیس اِس شان سے کی ہے کہ اِس گناہِ عظیم کا ناظر کو تصوّر بھی نہ ہو اَور سارے مجاہدین کی بے گناہی پر عقیدہ جم جائے۔

لطف یہ ہے کہ اسی ملک سے آدمی اَور روپیہ اُس گھمسان میں بھی کم و بیش جاتا ہی رہا اَور یہاں کے مسلمان کی یہ حالت ہوئی کہ انگریز اُنہیں بھیڑ بکری کی طرح کاٹ رہا تھا صفیں کی صفیں کھڑی کر کے گولی سے اُڑا رہا تھا، جیلوں میں ٹھونس رہا تھا، سُولیوں پر لٹکا رہا تھا۔ اُن کے مال، اُن کی آبرُوئیں بے دریغ لوٹ رہا تھا۔ اُن کی جائدادیں ضبط کر رہا تھا غرضیکہ اسی ہندوستان میں بعض جگہ تو ایک حشر برپا تھا۔

آپ کے نفوسِ قدسیہ تو انگریزی جہاد میں مست تھے۔ اِدھر ان ستم زدہ بیواؤں کی درد بھری آہیں اَور یتیم بچوں کے فلک بوس نالے سُننے والوں کے کلیجے شق کر رہے تھے اُدھر خدائے قدوس کا منادی قرآن پاک پکار پکار کر آپ کے نفوس قدسیہ سے کہہ رہا تھا:-

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ — اَور تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم نہ لڑو اللہ کی راہ میں

والمستضعفین من الرجال والنسآٔ والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعلنا من لدنک ولیا واجعلنا من لدنک نصیرًا۔

کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو (بلک بلک کر) یہ دُعا کر رہے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور اپنے پاس سے کوئی مددگار دے۔

درحقیقت اُس وقت تو انگریز سے لڑکر اور جان دے کر ولی ونصیر کا منصب حاصل کرنے کا مسلمان کے لئے بہترین موقع تھا جس کی طرف قرآن پاک نے دعوت دی تھی۔ مگر اُس میں عادل سرکار سے بگڑ جاتی۔ اور انگریز پر جان قربان کرنا (جو فرض تھا) اُس کی خلاف ورزی ہو جاتی۔ یہاں یہ سب حشر برپا ہوتا رہا مگر ندوی صاحب کے نفوسِ قدسیہ کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔

مسعود عالم صاحب ندوی نے "ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک" میں وہابی کی جو پہچان بتائی ہے اِس موقع پر اُس کی ہمیں بھی تصدیق ہو گئی۔ وُہ ص۱۲۱ پر لکھتے ہیں:۔

"بہترین وہابی وُہ ہے جو نہ کسی سے ڈرے اور نہ کسی پر رحم کھائے"۔

واقعی یہاں مجاہدین نے بہترین وہابی ہونے کا پُورا ثبوت دے دیا۔ خدا کا حکمِ جہاد سُننے کے بعد بھی انگریز سے حسنِ عقیدت وُہی رہا سرِ مُو فرق نہ آیا۔ خدا سے نہ ڈرے بیواؤں اور یتیموں کی دردناک آہوں اور دِل ہلا دینے والے نالوں سے اُن کے دِل ذرا بھی نہ پسیجے۔ اُن پر ذرا بھی رحم نہ آیا۔ غرضیکہ وُہ نہ خدا سے ڈرے نہ مسلمان بیواؤں یتیموں پر رحم کھایا۔ پکّے وہابی نکلے۔ اور تھا بھی یہ کہ اس میں اُن کے مقصدِ جہاد کی بقول ندوی صاحب "بڑی تنقیص تھی"۔ اگر وُہ ذرا بھی ڈرتے یا رحم کھاتے تو اُن کے مقاصد کی بلندی پستی سے بدل جاتی جیسے ندوی صاحب کہہ ہی چکے ہیں۔

اِس طرزِ عمل سے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے پردے میں

حکومتِ مُغلیہ خود تباہ کی گئی تو تاسیسِ حکومتِ الٰہیہ یہ ہوئی کہ انگریز مسلمانوں کے اِقتدار کو مِٹاتا اور اپنا قبضہ جماتا چلا گیا۔ ندوی صاحب اور مودودی جماعت بلکہ دُنیار وہابیت کے عقیدے میں اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ بھی یہی ہوئی ہوگی۔ مذکورہ بالا آیت نے بے کس بے بس مسلمان بوڑھوں، بچوں، عورتوں کے لئے جہاد کرنا فرض بتایا تھا مگر وُہ خدا کے حکم کے سامنے بقول ندوی صاحب "مقصدِ جہاد کی تنقیص کیسے گوارا کرتے"۔ لہٰذا اُنھوں نے حکمِ خدا کو ٹھکرا دیا اور اپنے مقصدِ جہاد کی تنقیص کسی طرح گوارا نہ کی۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے قبل از وقت وُہ باد چلا دی کہ صفحۂ ہستی پر کوئی مسلمان ہی نہ رہا۔ جو رہ گئے وُہ کافر، مُرتد، واجب القتل رہ گئے۔ اِس لئے ان کو بے یار و مددگار کر کے انگریز کے رحم وکرم یا ظلم وستم کے حوالے کر دیا گیا۔ انگریز اِس سُنہری موقع پر کیا چُوکتا اُس نے یہاں کے مسلمانوں کی شوکت وقوت کے ساتھ عزّت وعظمت کا بھی خاتمہ ہی کر دیا۔ ندوی صاحب نے اِسی شرمناک اِلزام کو مذکورہ بالا طویل عبارت سے بڑے اچھوتے طرز سے ٹالا ہے۔

اِس عبارت کا حسب ذیل ٹکڑا پھر پڑھ لیجئے[1]۔ "حالانکہ سیّد صاحب اور اُن کے مقصدِ جہاد کی اِس سے زیادہ تنقیص نہیں ہو سکتی۔ سیّد صاحب مکمّل اِسلامی نظام کے داعی تھے۔ دہلی کی حکومت کو ان کے بلند مقاصد سے کیا نسبت۔ یہ کون نہیں جانتا ہے کہ دہلی کی حکومت خاندانی شخصی حکومت تھی اور خلافتِ راشدہ کے نمونے پر حکومتِ الٰہی کی تاسیس کرنا سیّد صاحب کا نصب العین تھا"۔

دیکھئے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کو انگریز کے رحم وکرم یا ظلم وستم پر چھوڑ دیا گیا اور انگریز سے اپنی وابستگی باقی رکھنا اور رب العزّت کے حکم (مذکورہ بالا آیت) کو پسِ پشت

[1] یہ ندوی صاحب نے غالباً خدا کے پیغام وما لکم لا تقاتلوا الخ کا جواب دیا ہے اور خداوندِ عالم کو معاملہ کی حقیقت بتائی ہے کہ جب صُورتِ حال یہ ہے تو تیرا مطالبۂ جہاد ہی بے محل ہے۔

ڈالنا اُن کے مجاہدین و خلفاء و اُمراء پر یہ الزام تھا اُس کو ندوی صاحب نے مذکورۂ بالا عبارت سے اِس خوبی سے ٹالا ہے کہ اِلزام کی طرف ناظرین کا دِماغ منتقل بھی نہ ہو اور بالا بالا اُن کے دماغ سے اِس اِلزام کی گنجائش ہی نِکال دی جائے۔

میں ندوی صاحب کی اِس عبارت کا مطلب یہ سمجھتا ہُوں کہ مجاہدین نے مسلمانانِ ہند کے کُچلنے کے لِئے جو آسانیاں فراہم کر دیں وُہ اِس وجہ سے کیں کہ یہ مسلمان ان کے مقصد (وہابیت کے پھیلاؤ) کے حصُول میں کہیں حائل نہ ہو جائے۔ اگر ندوی صاحب کا بھی یہی خیال ہے تو ہم دونوں کی ایک ہی رائے ہے۔ یہ یقین جانیئے کہ مسلمان اگر ہندوستان میں سنبھل جاتا تو وہابیت کے لِئے یہاں کوئی گنجائش نہ رہتی۔ اِسلامی اقتدار اور مسلمانوں کی حکومت ختم کر کے وہابیت کے پھیلاؤ کے لئے گنجائش کی گئی ہے۔ خیر۔ اِن حسابوں وہابیت بہت مہنگی پڑی۔

ندوی صاحب نے شخصی حکومت اور خلافتِ راشدہ میں فرق بھی شاید اسی لِئے بیان کیا ہے کہ ناظرین اُن کے نفوسِ قدسیہ کی ہمالیہ جیسی بڑی غلطی کو رائی کے دانے کے برابر بھی نہ سمجھ لیں۔ حالانکہ اُن کی یہ حرکت بھی دُنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے برابر ہے۔ اور دنیا۔ اِسلام کو سراسر مغالطہ میں ڈالا گیا ہے ورنہ دنیا کو بارہا اِس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ جو مُردہ حکومت میں جان ڈالتا ہے یا کِسی قوم سے حکومت چھینتا ہے آگے چل کر وُہی حکومت بھی قائم کرتا ہے کِسی مورُوثی حکومت کے جائز وارث کو بھی دم مارنے کی ہمّت نہیں ہوتی۔ کمال اتاترک[1]۔ اسٹالن۔ مسولینی۔ جرنل فرانکو کرنل مجیب۔ جرنل

[1] جس وقت مصطفےٰ کمال مرحُوم نے اِتحادیوں کو قسطنطنیہ سے نکالا ہے۔ اُس وقت سلطان عبد المجید خامس قسطنطنیہ میں موجُود تھے۔ اُنہوں نے اپنی موروثی حکومت کا دعویٰ منہ سے نہ نکالا بلکہ اس قومی نظامِ حکومت میں بحیثیت ایک شہری چندے وزرہ کر رومۃ الکبریٰ کو چلے گئے اور وہیں رہ پڑے۔ اُن کے ہوا خواہوں نے اُن کے لِئے تاحیات پریسیڈنٹی کا سوال اُٹھایا تھا وُہ بھی منظور نہ ہُوا بلکہ عام امیدواروں کی طرح الیکشن سے کامیابی پر رکھا گیا۔ اس روکھے جواب نے انہیں نِکلنے پر اور مجبُور کر دیا۔ ۱۲

نادر خاں۔ نواب زادہ لیاقت علی خان۔ پنڈت نہرو جیسی بے شمار مثالیں آج دُنیا کے سامنے موجُود ہیں تو سیّد احمد و اِسمٰعیل صاحبان اگر ہماری اِس ڈوبتی کشتی کو ساحلِ مراد تک کھینچ لاتے تو وُہی دونوں جیسی چاہتے حکومت قائم کرتے۔ اُس وقت مغلیہ سلطنت یا شخصی حکومت قائم کرنے کے سوال کی گنجائش ہی کیا ہوتی۔ اور ہندوستان میں انگریزوں سے جہاد بھی سرحد کے پٹھانوں اور سِکھّوں سے جہاد کے مقابلہ میں بہت سستا پڑتا۔

ندوی صاحب کو تو صرف مغالطہ میں ڈالنا ہے۔ ورنہ ہمیں تو صرف سیّد احمد صاحب کی بیسیوں سے زیادہ ایسی وصیّتیں معلوم ہیں کہ "عادل سرکار (انگریز) سے ہم کیوں لڑیں اور بیکار طرفین کا خون کیوں بہائیں"۔

اِسمٰعیل صاحب کی بھی یہی وصیّت ہے۔ "اگر برطانیہ پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمان پر فرض ہے کہ اُس سے جان کی بازی لگا دے اور اپنی سرکار پر آنچ نہ آنے دے"۔

بالفرض گر مسلمان جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریز کو ہر جگہ دبا لیتا تو کیا تعجب کہ ندوی صاحب کے یہی نفوسِ قدسیہ اپنی عادل سرکار کی (بر بنائے فرضیّت) ضرور مدد کرتے اور سرحد و پنجاب کو چھوڑ کے انگریز پر آنچ نہ آنے دیتے۔ مسلمانوں ہی کو تہِ تیغ کرتے اور یہاں کے مسلمانوں کو اپنی عادل سرکار کا غلام ہی بنا کے دم لیتے۔ وُہ یوں اپنے دینی فرض کا بول بالا کرتے یا اُس پُرانے پونے چودہ سو برس پہلے کے اِسلام پر سر منڈائے بیٹھے رہتے۔

کوئی ندوی صاحب ہوں یا دیوبندی ہو مُودودی ہوں یا الیاسی۔ وُہ اِسلام کی اِس نشأۃِ ثانیہ کو بغور پڑھیں۔ احادیثِ مذکورۂ بالا اور اُنہیں کے گروہ کی لکھّی ہوئی تاریخی روایتیں پڑھیں اور ٹھنڈے دِل سے غور کریں۔ اگر اُن کا دِل اَب بھی اُسی طرف مائل ہو تو اپنے ہی تک محدُود رکھیں۔ ہمارے سرکار (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی بھولی بھیڑوں کی راہ نہ ماریں۔

اور میں اپنے بھائیوں سے یہ عرض کروں گا کہ تم اپنی آنکھیں کھولو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس بھری پُری دُنیا میں تمہارا کوئی ہمدرد نہیں ہے۔ انہوں نے جس سے ملنے کی ہدایت فرمائی ہے اُس سے ملو اور جس سے دُور رہنے کو فرمایا ہے اُس سے بچو۔ اسی میں خیر ہے۔ کسی کے ظاہری تقدس پر نہ جاؤ۔ اُن کے روزے نماز کی گہرائیاں بتا کر ہی تو سرکار نے ارشاد فرمایا تھا۔ یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ۔ ترجمہ۔ وُہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے جب دین سے ہی نکل گئے تو کس دین کے رہے۔

انگریز کی عہد شکنی؟

ندوی صاحب آپ نے بدلیشی غریب الوطن یتیم یسیر انگریز پر عہد شکنی کا الزام تو بڑی جرأت سے رکھ دیا۔ "اسلامی تحریک" کے ص ۱۲۸ پر فرماتے ہیں "لیکن جُوں ہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا۔ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے بُرا کوئی نہ تھا۔ پھر کوئی کسر نہیں تھی جو اُن کے کچلنے کے لیئے اُٹھا رکھی گئی ہو"۔

مگر آپ نے ان انگریزی مجاہدین کی غدّاری کو نہ اُچھالا۔ اُسے خاموشی سے ذکر کر گئے۔ آپ ہی تو اسی "اسلامی تحریک" میں بصورتِ تسلیم نقل کرتے ہیں کہ "استھانہ کیمپ (مجاہدین کا مرکزی پڑاؤ) میں برطانوی علاقہ سے آدمی اور روپیہ کی آمد برابر جاری تھی (یعنی انگریز اپنے علاقہ سے آدمی اور روپے سے برابر امداد کرتا رہا) اور ہماری فوج (انگریزی فوج) سے ان کی (مجاہدین کی) باغیانہ خط و کتابت پکڑی گئی۔ ان مجاہدین نے بڑی چالاکی سے یہ چاہا کہ ہماری چوتھی دیسی سپاہ متعینہ راولپنڈی کی وفاداری کو داغدار کیا جائے (یعنی مجاہدین نے انگریز کی ہندوستانی فوج کو بغاوت کی ترغیب دی) برطانوی حکومت اب زیادہ دیر تک حقائق سے آنکھ بند نہ کر سکتی تھی"۔

دُوسری غدّاری اور ملاحظہ ہو۔ اسی "اسلامی تحریک" ص ۴۷ پر ہے۔ "اسی سال ان لوگوں (مجاہدین) نے ہماری حلیف ریاست انب پر حملہ کر دیا جس سے برطانوی حکومت ایک فوج بھیجنے پر مجبور ہوئی"۔

راونشا کلکٹر پٹنہ بھی اپنے میمورنڈم میں لکھتے ہیں۔ "۱۸۵۲ء کے رکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مذہبی دیوانوں نے ہمارے حلیف جہاں داد خاں والیٔ انب پر حملہ کر دیا۔ جس کے باعث آگے چل کر ۱۸۵۸ء میں ضروری ہو گیا کہ سر سڈنی کاٹن کی سرکردگی میں ان (مجاہدین) کے خلاف ایک مہم بھیجی جائے"۔

کہیئے ندوی صاحب یہ انگریزی مجاہدین جن کو جہاد کے قابل کر کے انگریز ہی نے اس جہاد پر لگایا۔ ہر ممکن مدد کی۔ اپنے فوجی جوانوں کو بھی جہاد میں بھیجا۔ مجاہدین کو اپنے ہی علاقہ سے آدمی اور رُوپے کی امداد دلاتا رہا۔ اور خود میدانِ جنگ تک روپیہ پہنچاتا رہا دعوتیں کھلاتا رہا۔ انگریزی حکام مجاہدین کے لیئے ہر جگہ آسانیاں فراہم کرتے رہے۔ اور آپ کے بزرگانِ دین بھی اُس کی حکومت کو اپنی ہی حکومت سمجھتے رہے۔ اِس قدر کھلا ملا کے بعد بھی آپ ہی نے اُس کی فوج میں بغاوت پھیلانے کی ناکام کوشش کی اور اُس کے حلیف جہاں داد خان والیٔ انب پر (صرف اِس وجہ سے کہ وُہ مسلمان تھے) حملہ کیا۔[1]

انگریز اِن غداریوں کو کہاں تک برداشت کرتا۔ آخر اُس نے بھی کمرِ ہمّت چست کی اور ان مجاہدین کے خلاف میدانِ جنگ میں اُتر آیا۔ تنگ آمد بجنگ آمد کا مضمون ہوا۔ اب اُس نے اپنے ساختہ پرداختہ مجاہدین کا سختی سے مقابلہ کیا۔ اِس واسطے کہ یہ شرمناک غداری اُس حالت میں کی گئی تھی جب کہ رُوپے اور آدمی کی کمک اُسی کے علاقہ سے برابر جاری تھی۔ انگریز نے تو حقیقت میں اب تک اپنے معاہدہ کا بڑا لحاظ رکھا۔ اُس نے

---

[1] یُوں تجدیدِ جہاد اور اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ ہوتی ہے۔ ۱۲

دُنیا کے ساتھ عیّاری و مکّاری کی ہے مگر خیمہ والے عہد و پیمان کو بہت نباہا۔ جب مجاہدین
ہی نے جس میں کھائیں اُسی میں چھید کریں کا مظاہرہ کیا تو وُہ بھی ان کی بیخ کنی پر مجبور ہُوا۔
اُس نے اپنے غدّاروں کے خلاف تلوار اُٹھائی۔ جس ذلیل فطرت انسان نے
مجاہدین کو یہ رائے دی تھی کہ انگریز کی ہندوستانی فوج کو غدّاری پر اُبھارا جائے۔ اَور اُس
کے حلیف والیٔ انب پر حملہ کر دیا جائے۔ اُسی نے انگریز سے دو ٹوک کرا دی۔ ورنہ عام مجاہدین
انگریز سے لڑنا ہرگز نہ چاہتے تھے اَور اس لڑائی کو پسند ہی نہ کرتے تھے۔ اِس واسطے کہ وُہ
اپنے پیر کے فرمان کو اب وصیّت جیسا سمجھتے ہوں گے جو اُنہوں نے اپنے مکاتیب میں
باختلافِ الفاظ کم و بیش بیس جگہ لکھا ہے کہ "ہمیں انگریزی سرکار سے کسی طرح لڑنا
نہیں ہے۔"

اَور اُن کے امیرِ شریعت میاں اسمٰعیل حکمِ شرعی سُنا ہی چکے تھے۔ "بلکہ ان (انگریزوں)
پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وُہ اُس سے لڑیں اَور اپنی گورنمنٹ پر
آنچ نہ آنے دیں۔"

یہی وجہ ہے کہ مجاہدین نے ۱۸۵۸ء میں انگریزی حملہ کی مدافعت ہی کی۔ خود کوئی
حملہ نہ کیا۔ حالانکہ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں پر انگریز کے بے پناہ مظالم کچھ ہی روز پہلے دیکھ
چکے تھے۔ جب اُسی وقت مجاہدین انگریز سے نہ لڑے اَور انگریزی عادل سرکار سے
حسنِ عقیدت نے ان میں جوشِ انتقام تک نہ پیدا ہونے دیا۔ انگریز کے خلاف قرآنِ پاک
کے صریح حکم کو بھی نہ مانا تو اس کے بعد انگریز سے لڑنے کا اُس سے اہم کون سا موقع ہو
سکتا تھا۔

مجاہدین کی انگریز سے حسنِ عقیدت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ:۔

۱۔ انگریز کا سارے ہندوستان پر قبضہ ہو گیا۔
۲۔ ہندو اَور مسلمان انگریز کے غلام ہو گئے۔

۳۔ اِسلام کی اِسی تجدید جہاد و نشاۃِ ثانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو برطانیہ عظمیٰ بنا دیا۔
انگریز نے پھر تو ساری دُنیائے اِسلام کو مصیبت میں ڈال دیا۔ اُس نے تمام ممالکِ
اِسلامیہ میں پاؤں پھیلا دیئے۔ یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اِس کوہِ نور (ہندوستان)
ہی کے تاجِ انگلستان میں ٹکنے کے بعد دُنیائے اِسلام کو انگریز کے آگے سرِ تسلیم خم
کرنا پڑا۔ یہ سچی بات ہے کہ انگریز کو یہ عروج کہ اُس کی حکومت میں آفتاب کبھی غروب
نہ ہُوا۔ مولوی مسعود عالم ندوی کے الفاظ میں "چند سر پھرے مولوی اور ملانے جو مسندِ
درس پر قال اللہ و قال الرسول کا کلمہ رٹنے والے تھے جب اُنہوں نے میدانِ کارزار
میں مسند بچھانے کی ٹھان لی"۔ تب ہی نصیب ہُوا ہے۔

انگریز سے پہلے فرنچ اَور ڈچ قوموں نے ہندوستانی حکومت کی جڑیں کاٹنے کی
کوشش کی تھی مگر اُن کی کلہاڑیوں کو یہاں بینٹھ نصیب نہ ہُوا۔ اِس لیئے وُہ ہندوستان
پر قابض نہ ہو سکیں۔ انگریز نے اپنی کلہاڑی میں بینٹھ ڈال لیا تو پہلے یہاں کے مسلمانوں کو
سرحد و پنجاب میں کٹوایا اَور جنگجو جوان کو پنجاب و سرحد پر نکلوا کر ہندوستان پر آسانی سے
قبضہ کیا۔ اَور سرحد و پنجاب کو آئندہ کے لیئے کمزور کرا دیا۔ پھر جنگِ آزادی میں با اثر اَور
عالی ہمّت ہندوؤں اَور مسلمانوں کو خود کاٹا۔ جیلوں میں ٹھونسا۔ کالے پانی بھیجا۔ اَور
شاہانِ دہلی و اودھ کو گرفتار کر لیا۔ اَور جو مسلمان رہ گئے تھے۔ اُن کی جائدادیں ضبط کر
کے اُنہیں بھیک کو کر دیا۔ یُوں سارے ہندوستان پر بلا شرکتِ غیرے خود بادشاہ بن
بیٹھا۔ بینٹھ بنا جس کے لیئے مقدر تھا وُہ بینٹھ بنا۔ ابتدائے جہاد سے ہوئی انتہا غلامی پر ہُوئی۔
اَب اِس کے کس حصّہ کو اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کہیئے گا۔ اگر ایسا ہے تو کہنا پڑے گا کہ
ایسی نشاۃِ ثانیہ ہی سے دائمی غلامی کا شرف نصیب ہوتا ہے۔ اَب پُوچھنا یہ ہے کہ
۱۹۴۷ء والا انقلاب بھی نشاۃِ ثانیہ کا حکم رکھتا ہے یا نہیں۔ اِس واسطے کہ اِس انقلاب
میں بھی آنے والی حکومت کے ساتھ آپ کا عنصر شامل تھا اَور ہر ایسے موقع پر آپ کا شمول

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ بن جاتا ہے۔ اَب ہندوستان میں مسلمان ۱۸۵۷ء جیسی دو ایک بار کی نشأۃ کا اَور رہ گیا ہے۔ اگر ایسی نشأۃ ثانیہ دو ایک بار اَور ہو جائے تو ہندوستان اسپین جیسا ہو جائے۔

شہادت یا غیبوبت

یہ وُہ اہم اِختلافی مسئلہ ہے جس میں علماء ندوہ اَور عُلماء دیوبند دونوں دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ان دونوں میں سیّد احمد صاحب کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ:۔

۱۔ وُہ میدانِ جہاد میں مارے گئے۔ یا

۲۔ وُہ محاذِ جنگ سے غائب ہو گئے۔

مولوی مسعُود عالم صاحب ندوی اُن کی غیبوبت کو کوئی خاص اہمیت ہی نہیں دیتے بلکہ وُہ بلا وجہ سیّد احمد صاحب کی جان کے پیچھے پڑ گئے ہیں اَور اُن کو شہید ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ جب اُن سے قبر کا سوال کیا جاتا ہے اَور شہادت کے گواہ مانگے جاتے ہیں تو مولوی مسعُود عالم جیسے ائمہ ندوہ اِس قسم کی باتیں بنا دیتے ہیں۔ پہلی اسلامی تحریک ص۴۸ میں ہے "بالاکوٹ کا حادثہ کچھ اِس طرح ہوا کہ شہداء کی تجہیز و تکفین بھی غیروں ہی نے کی اُن کی قبروں کا بھی ٹھیک عِلم نہیں تو اُن کی شہادت پر کون شہادت دے"۔

اُنہیں کا کہنا ہے کہ "سیّد احمد صاحب نے بعض ایسی پیش گوئیاں کی تھیں جن سے کمزور دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ سیّد صاحب شہید نہیں ہوئے بلکہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں اَور دوبارہ ظاہر ہو کر شرک و بدعت سے دُنیا کو پاک کر دیں گے۔ یہ خیال عرصہ تک سیّد احمد صاحب کے عقیدت مندانِ خاص کے دِلوں میں جاگزیں رہا اس اِنتظار میں کتنے بیٹھے رہے اَور بے نیل و مرام اُٹھ گئے"۔

اِسی اِسلامی تحریک میں ص۴۹ پر ندوی صاحب فرماتے ہیں "بعض بڑے مخلص

اَور متبع سُنّت عُلماء اِس توہّم کا شکار ہُوئے۔ شاید اب بھی ان کے دِل سے یہ عقیدہ نہ نکل سکا ہے"۔

ندوی صاحب کے مُنہ سے یہ جملہ کہ "بعض مخلص و متبع سُنّت عُلماء بھی اِس توہّم کا شکار ہُوئے" غالباً عُلماء دیوبند کے اِمامِ ربّانی (مولوی رشید احمد صاحب) پر حملہ ہے۔ اِس واسطے کہ سیّد احمد صاحب کی غیبوبت والے عقیدے کو اُنہیں کے "اَمکن" کہنے سے بابِ عقائد میں جگہ ملی ہے۔

"تذکرۃ الرشید ص۱۷۰ میں ہے "منشی ابراہیم صاحب نے کہا کہ سیّد صاحب بارھویں صدی کے آغاز میں پیدا ہُوئے تھے اَور اَب تیرہ سو اٹھارہ ہے۔ ممکن ہے کہ سیّد احمد صاحب حیات ہوں۔ ابراہیم صاحب نے تو لفظ ممکن کہا تھا تو حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) نے (زور دے کر) کہا بلکہ اَمکن ہے۔ مولٰنا شہید کی قبر موجُود ہے۔ اَور سیّد احمد صاحب کی قبر مشتبہ ہے"۔

یہ تو لوگوں کے تاریخی حیثیت سے بیانات ہیں اَب عینی شہادتیں ملاحظہ ہوں۔ تذکرۃ الرشید ص۲۷۰ میں ہے کہ "جب نعشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اَور اُن کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا"۔ اُسی میں ص۲۷۱ پر ہے۔ "ایک شخص (مجاہد) نے بیان کیا کہ مجھے سخت بخار تھا میں نے تینوں کو جاتے دیکھا۔ جن میں سے ایک سیّد احمد صاحب تھے میں نے غل مچایا کہ حضرت آپ ہم کو کیوں چھوڑ گئے اَور ہم سے کیوں علیحدہ ہو گئے"۔

اسی کے بعد ص۲۷۱ میں ہے۔ "دُوسرے شخص (مجاہد) نے کہا کہ ہم ان دنوں سیّد احمد صاحب کی تلاش کر رہے تھے۔ دفعۃً کچھ فاصلہ پر گڑ بڑاہٹ سنا۔ میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا سیّد احمد صاحب اَور اُن کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں۔ میں نے مصافحہ کیا اَور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے۔ سب لوگ بغیر آپ کے سخت پریشان ہیں۔ مجبور ہو کر ہم نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے اَور اُن سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اِس پر تحسین کی

اور فرمایا کہ ہم کو غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اس لئے ہم نہیں آسکتے۔"

پھر اسی صفحہ میں ہے کہ "تیسرے شخص (مجاہد) نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اُترے۔ وہاں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ جو قبر ڈھئی پڑی ہے اس کو سید صاحب ہی ڈھوا[1] کر گئے ہیں کیونکہ اونچی تھی۔ ادھر اُدھر دیکھا تو پتہ نہ چلا۔"

اب تواریخ عجیبہ کے بیانات ملاحظہ ہوں ص ۱۷۸ میں ہے "سید احمد صاحب مثلِ شیر اپنی جماعت میں کھڑے تھے کہ یک بیک آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔"

پھر اسی صفحہ میں ہے۔ "جعفر جو آپ کا باڈی گاڈ[2] تھا اور کندھے سے کندھا ملائے کھڑا تھا لکھتا ہے کہ "حضرت امیر المومنین در ہماں جماعت از نظر غائب شدند۔"

پھر اُسی صفحہ میں ہے۔ "غازیوں نے سارا میدان ڈھونڈ مارا مگر سید صاحب کا پتہ نہ چلا۔ ص ۱۷۹ میں مولوی جعفر سے نقل کیا ہے۔ "سید صاحب کی ٹانگ پر ایک گولی کا زخم بھی لگا تھا۔ اس زخم لگنے کے بعد آپ ایک پتھر پر رُو بقبلہ بیٹھے ہوئے دُعا مانگ رہے تھے۔ اسی پتھر سے غائب ہوئے ہیں۔"

نقوی صاحب کا بیان ہے کہ "موضع شملئی میں پہنچ کر ہم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ سید احمد صاحب موضع مٹی کوٹ میں (جو بالاکوٹ سے قریب گوجروں کا گاؤں ہے) گوجروں کے یہاں موجود ہیں۔"

---

[1] قبروں کا ڈھانا ممکن ہے کہ تکیہ کی سکونت اور وہاں کے ماحول کا ثمرہ ہو اس واسطے کہ تکیہ والے ہی پُرانی قبروں کو مسمار کر کے دُوسرے آنے والے مُردوں کی جگہ کرتے ہیں۔ ۱۲

[2] باڈی گاڈ کی اصطلاح کا صحیح استعمال اُس زمانہ میں اور وُہ بھی خاص میدانِ جنگ میں اور اُن کے ساتھیوں میں انگریزہی کی فوجی تربیت کا اثر ہو سکتا ہے خواہ یہ فوجی تربیت انگریز نے بلاواسطہ دی ہو یا اُس کے فوجیوں نے دی ہو۔ ۱۲

اسی تواریخ عجیبہ ص ۱۷۹ میں ہے "بعض لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ مولوی نظام الدین چشتی کاندھلوی جو بخارا و کشمیر اور کاغان کے سفیر ہو کر گئے تھے وُہ اور مولوی عبد اللہ یہ دونوں شخص میدانِ جنگ سے سید صاحب کے ساتھ غائب ہو کر آپ کے رفیق غیبوبت ہو گئے۔"

اسی صفحہ میں ہے کہ "ایسی ایسی بہت سی روایتیں ہیں کہ واقعۂ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سید صاحب اور اُن کے رفیقوں کو دیکھا۔"

پھر ص ۱۸۰ میں ہے۔ "سید احمد صاحب کی چھوٹی بی بی صاحب جن سے قبل از معرکۂ بالاکوٹ سید احمد صاحب نے اپنی غیبوبت کی پیشین گوئی کی تھی اور سید صاحب کے اقربا اور اکثر اہلِ قافلہ آپ کی غیبوبت کے قائل تھے۔"

اِسی تواریخ عجیبہ کے ص ۸۵ میں ہے۔ "مولوی حیدر علی دہلوی ثم ہوشیارپوری اور ان کے صاحبزادے نے ۱۳۰۲ھ میں سید احمد صاحب کی زیارت کی ہے۔" یعنی واقعۂ بالاکوٹ کے ۵۶ سال بعد۔ اِس واسطے کہ حادثۂ بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ میں پیش آیا تھا۔

یہ اُن لوگوں کے چشم دید بیانات ہیں جن کے متعلق یہ ہی ندوی صاحب اپنی کتاب "پہلی اسلامی تحریک" میں ص ۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "صحابہ کرام کے بعد اتنے[1] نفوسِ قدسیہ

---

[1] ندوی صاحب نے اس ہڑبونگ کو جس میں سید احمد صاحب کے ساتھ کے کچھ پنڈاری بھی شامل ہوں تو عجب نہیں صحابہ کرام کے برابر بٹھا دیا ہے۔ انہوں نے سید احمد صاحب ہی کی ایک روایت سے اخذ کیا ہے۔ تواریخ عجیبہ ص ۵۸ میں ہے کہ اور سجدے سے سر اُٹھا کر (سید احمد صاحب نے) مبارکباد دے کر فرمایا کہ آج ہاتف نے مجھ کو بشارت دی ہے کہ اس وقت تجھ کو اور تیرے کل ہمراہیوں کو میں نے بخش دیا اور بعد اِس ندا کے ایک ہاتھ غیب سے ظاہر ہوا۔ اس ہاتھ نے اِس مسجد کو جنت الماوٰی میں لے جا کر داخل کر دیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا اِس مسجد میں جس قدر آدمی موجود ہیں ان سب کے نام ایک کاغذ پر لکھ لو اور ان کو مثل اصحابِ بدر کے منظور اور مقبولِ بارگاہِ ایزدی کا تصور کرو۔" مسلمانو! اب تو آنکھیں کھولو۔ اُن کے قائد سید احمد اور تمہارے قائد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان کے سیکڑوں ہزاروں اصحاب بدر اور تمہارے صرف تین سو تیرہ۔ دیکھو یہ اسلام سے علیحدہ چلتر جما کے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کر رہے ہیں۔ در اصل یہ نبوّت کی داغ بیل ڈالی گئی ہے۔ اِس کی تفصیل دیکھنا ہو تو "نبوّت کے تین اُمیدوار" میں ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲

کا ایک جگہ جمع ہو جانا تاریخ کے صفحات میں نظر نہیں آتا۔"

ندوی صاحب آپ ہی کے اِن نفوسِ قدسیہ کے اجماع اور ان کی کثیر شہادتوں کے بعد اور خود سید احمد صاحب کے اُس اِلہام کے بعد جو اُنھوں نے اپنی شریکِ زندگی چھوٹی بی بی سے بیان کیا تھا۔ اور ایک اِمام وُہ بھی اِمامِ ربّانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) کے امکن کہنے کے بعد اُسے کمزور دلوں کا خیال کہہ کے ٹھکرا دینا غضب ہے۔ آپ ہی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن کے مُریدین معتقدین نے اُسے عقیدہ بنا لیا ہے۔ افسوس۔ بھلا آپ کو گھر بیٹھے ان سارے کے سارے نفوسِ قدسیہ کے اور امامِ ربانی کے نیز سیّد احمد صاحب کے جھٹلانے کا کیا حق تھا۔ یہ نہ سوچا کہ اِس ٹھوکر کی دھمک کہاں تک پہنچے گی۔

سیّد احمد کی ایک پیشین گوئی

اوّل تو خدا کا وعدہ جس کا جہاد کو جاتے ہُوئے سیّد صاحب نے اپنی بہن سے ذکر کیا تھا۔ تواریخِ عجیبہ صہ ۹۲ میں گھر سے چلتے وقت کی ایک پیش گوئی موجود ہے۔ "اے میری بہن میں نے تم کو خُدا کے سپرد کیا اور یہ یاد رکھنا کہ جب تک ہند کا شِرک، ایران کا رفض، چین کا کفر، افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مُردہ سنت زندہ نہ ہو لے گی اللہ رب العزّت مجھ کو نہ اُٹھائے گا۔ اگر قبل ظہور ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی تم کو خبر دے اور تصدیق خبر پر حلف بھی کرے کہ سیّد احمد میرے رُوبرو مر گیا یا مارا گیا تو تم اُس کے قول پر ہرگز اِعتبار نہ کرنا۔ کیونکہ میرے رب نے وعدہ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مجھ کو مارے گا۔"

پھر اِن الہامات کے متعلق آپ نے اپنی اُمت کو بارہا یقین بھی دلایا کہ یہ سب خداوندِ عالم ہی کے پیغامات ہیں۔ ان میں شیطانی وسوسہ کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ تواریخِ عجیبہ صہ ۲۴۲ میں سیّد احمد صاحب کا کہنا لکھّا ہے۔ "فقیر دریں باب باشاراتِ غیبی مامُور است و باشاراتِ لاریبی مبشر۔ ہرگز ہرگز شعبۂ وسوسۂ شیطانی و شائبۂ ہوائے نفسانی بایں اِلہام ممتزج نیست۔"

پھر اِس قوم کے مسلّم امام اِمامِ ربّانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) کا امکن کہنا اور سونے پر سہاگہ ہو گیا جب اس مسئلۂ غیبوبت کی تائید میں خداوندِ عالم کے متعدد اِلہام ہیں اور مہدی[1] وسط کا اُن پر اِیمان ہے۔ اور ایک اِمام کی اُس پر تائید ہے۔ وُہ بھی معمولی اِمام نہیں بلکہ اِمامِ ربّانی جو بقول ندوی صاحب عقیدت مندانِ خاص میں سے تھے (ان کا شمار تو اوّل درجہ کے نفوسِ قدسیہ ہی میں ہوگا) وُہ بھی مدتوں اپنے عقیدہ کی رُو سے واپسی کی آس لگائے بیٹھے رہے کہ سیّد صاحب آئیں گے اور دُنیا سے شرک و بدعت و نفاق و کفر کا اِستیصال کریں گے۔ آخر اِنتظار کرتے کرتے بے نیل و مرام مرے تو کیا وجہ ہے کہ اِس مسئلہ کا بابِ عقائد میں شمار نہ ہو۔

ندوی صاحب کی یہ بڑی جرأت ہے کہ وُہ اِس عقیدہ کو کمزور دِلوں کا خیال بتاتے ہیں۔ اِس میں بے چارے امامِ ربّانی کا قصور بھی کیا تھا۔ وُہ تو اپنی سادگی سے ایسے اِلہام پر اِیمان لاتے تھے جو بقول سیّد احمد خاص خداوندِ عالم کا فرمان تھا۔ اُس پر خدا نے وعدہ واثق کیا تھا۔ اور سیّد احمد صاحب کا اُس کی سچائی پر اِیمان تھا جو اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لِئے اُن سے نشر کرایا گیا تھا۔ وُہ اِلہام بھی نِکھر جھوٹا نِکلا تو اِمامِ ربّانی کیا کریں بلکہ آپ کے امامِ ربّانی (مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی) تو اِن جھوٹے الہاموں کے بارے میں وُہ کام کر گئے جو کسی سے نہ ہوا۔

دُنیا نے جب الہاموں کا جھوٹ اُچھالا تو اُنہیں اندیشہ ہو گیا کہ کہیں عقیدت مندِ اِن

[1] اِسی اِسلامی تحریک صہ ۱۹۲ پر ندوی صاحب لِکھتے ہیں کہ "سوانح احمدی کے دیباچہ میں مہدی وسط کا لفظ آیا ہے۔ اس سے آگے رقمطراز ہیں کہ "رسالہ الاربعین فی المہدیین بھی اِسی طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ خواہ مخواہ ذہن سیّد صاحب کی مہدویت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔"

خاص کے عقیدے نہ پھر جائیں۔ انہوں نے اِدھر اِس اِلہام کی امکن کہہ کر خود تصدیق کی اُدھر
امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا اعلان کر دیا کہ عقیدت مندانِ خاص کے عقیدوں کی روک تھام
ہو سکے۔ یُوں عقیدت مندانِ خاص کے عقیدوں کی حفاظت کی گئی ورنہ یہ ساری اسکیم ہی برباد
ہو جاتی۔ بیٹھے بٹھائے بلا ضرورت وُہ ایک نئی بات نکال کر ساری دُنیاء اِسلام سے
لڑائی کیوں لیتے۔ خُدا جھُوٹ بول سکتا ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہندوستان بھر میں اُس وقت
کہیں بھی زیرِ بحث نہ تھا۔ بظاہر یہ مسئلہ اٹھایا ہی اِس لیئے گیا ہے کہ جھوٹے الہاموں کے
نشر کرنے کے اِلزام سے سیّد احمد صاحب کو بچا لیا جائے۔ جب خدا ہی جھوٹ بول سکتا
ہے تو ممکن ہے کہ اِلہام وہیں سے جھوٹے چلے ہوں۔ اب الہاموں کے جھوٹا ہونے
سے سیّد احمد پر جھوٹ کا اِلزام نہیں آتا جب کہ ملہمِ غیب ہی نے (معاذ اللہ) جھوٹے
اِلہام سیّد احمد صاحب پر اِلقا کر دیئے تھے۔

علماء دیوبند نے اِس مسئلہ میں اپنے امامِ ربّانی کی زوردار تائیدیں کیں۔ ندوی صاحب
اپنی فطری عادت کی وجہ سے اپنے امامِ ربانی پر بھی کاری ضرب لگا گئے۔ ہے یہ کہ یہ سب
دلائل غیبوبت ایک طرف اور ندوی علماء کا عقیدۂ شہادت دُوسری طرف۔ اِس تناقض
نے ان سارے وہابیوں کے لیئے مسئلہ غیبوبت کو گلے کی ہڈی بنا دیا ہے کہ نہ اُگلنے
کی ہے نہ نِگلنے کی۔

وُہ اگر اِس وقت زندہ ہیں تو سوال یہ ہوتا ہے کہ زمین پر ہیں یا آسمان پر[١] ١٣٠٢ھ
تک اُن کے دو اصحابِ کبار کی شہادت سے اُن کا زمین پر قیام ثابت ہوتا ہے اور
١٣٠٢ھ کے بعد ضرور آسمان پر چلے گئے ہوں گے۔ اِس واسطے کہ اِس باب میں مجاہدین
کا اجماع رد نہیں کیا جاسکتا جب کہ وُہ ندوی صاحب کے نفوسِ قدسیہ ہیں۔ اصحابِ بدر کے
برابر کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ سیّد احمد صاحب آسمان پر بلالیئے گئے۔

---

١ اِس واسطے کہ اُن کا رہائشی مکان اور مسجد تو چوتھے آسمان پر پہنچ ہی چکے ہیں وُہ یہاں کہاں رہتے۔ ١٢

مرزائیت کی بُنیاد

اَب یہ سوال ہوتا ہے کہ وُہ آسمان سے اُتریں گے یا بقول بعض مجاہدین شمال مغربی
پہاڑیوں سے ظاہر ہو کر شرک و بدعت سے دُنیا کو پاک کریں گے۔ چُونکہ اُن کا ہند کا شرک
افغانستان کا نفاق، چین کا کفر، ایران کا رفض دُور کر کے ہر مُردہ سنت زندہ کرنا ہے۔
اِس لحاظ سے اُن کے اُترنے کے لیئے قادیان کا مینارہ ہی مناسب ہے۔ اَور قادیانیوں
کو بھی اُن کے لیئے اِنکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اِس واسطے کہ بارہ تیرہ سو برس سے
نبوّت کا دروازہ تو بند تھا جو سید احمد صاحب ہی کے ایک چیلے مولوی قاسم نانوتوی
نے کھول دیا اور دُنیا کو بتا دیا کہ دَورِ سرکارِ رسالت کے بعد بھی اگر کوئی نبی ہو جائے تو
سرکارِ دوجہاں کی خاتمیت میں فرق نہ آئے گا۔

پھر کیا تھا غلام احمد قادیانی کو موقع مِل گیا۔ وُہ دروازہ کھلا پاکر بیک بینی دو
گوش کاشانۂ نبوّت میں داخل ہو گئے۔ مرزا غلام احمد کو تو گویا نبوت کا پاسپورٹ بھی
یہیں سے مِلا ہے تو قادیانیوں کو اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیئے اپنے مینار پر سیّد احمد
صاحب کے اُتارنے میں کیسے اِنکار ہو سکتا ہے۔

ندوی صاحب کا ایک عجیب نظریہ جسے ندوی صاحب نے "اِسلامی تحریک" کے
ص ١٨٦ پر ذِکر کیا جو نہ کہیں دیکھا نہ کسی سے سُنا۔ وُہ لکھتے ہیں"۔ انہوں (مُلّا وہابیہ)
نے یہ طے کر لیا ہے کہ اب اللہ کی سرزمین پر اُس کا نام سربلند ہی نہیں ہو سکتا ناکامی
کے اِس غیر اِسلامی تصوّر نے ہمارے بعض مشہور اہلِ فکر کو مسلمانوں کی تقدیر ہی سے
مایُوس کر دیا ہے"۔

ندوی صاحب نے سیّد احمد صاحب کی مکمّل ناکامی کے بعد اپنے گروہ کی ممتاز
شخصیتوں کی اِسلام کے مستقبل کے لیئے یہ رائے بتائی ہے کہ اب اِسلام کا کام

صرف یہ رہ گیا ہے کہ وُہ کسی چلتی ہوئی تحریک کا ضمیمہ بن کر رہے۔"

یعنی اسلام میں اب کوئی جاذبیّت ہی باقی نہیں ہے کہ اُس کی وجہ سے وُہ خود باقی بھی رہ سکے۔ اُس کی بقا کسی چلتی ہوئی تحریک کی آڑ لئے بغیر ناممکن ہے۔ یہ اِس دینِ جدید کا تازہ عقیدہ ہے۔ اِس عقیدے میں یہ لحاظ نہ رکھا گیا کہ مایوسی پر قرآن پاک نے کفر کا فتوےٰ بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

لا تیئسوا من روح اللہ فانہ لا یئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ — خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو اِس لئے کہ اُس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کفّار۔

یہ آواز ندوی صاحب نے تو اَب نکالی ہے۔ اس کی تائید ان کے اکابر پہلے سے کرتے آئے ہیں۔ اِس واسطے کہ خارجیت نے جب سے وہابیت کا چولا پہنا ہے تو ابنِ عبدالوہاب نے روزِ اوّل ہی سے اپنی اسکیم (وہابیت) کو آگے چلانے کے لئے سلطنت برطانیہ اور ریاستِ نجد کا سہارا لیا۔ انگریز ہی کے بھروسہ پر ابنِ عبدالوہاب نے سلطان المعظم کو تبدیلیٔ مذہب کی رائے دی اور سلطنتِ عثمانیہ کے مقبوضہ علاقے (حرمین محترمین وغیرہ) پر حملہ کیا۔ بلکہ یہ حملہ تو ساری دُنیائے اسلام کو گویا اعلانِ جنگ تھا۔ اور مقاماتِ مقدسہ میں قتلِ عام دُنیائے اسلام کی تذلیل اور اُس کی دل آزاری کے لئے کافی تھا۔

کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایک قبیلہ کا معمولی انسان دُنیا کی عظیم ترین سلطنت سے از خود نبرد آزما ہو جب تک کہ کوئی بڑی طاقت اُسے سہارا نہ دے بلکہ لے شیر انہ کہے۔ مثل مشہور ہے "سچ ہے حمایتی کی گدھی تو عراقی کے لات مارتی ہے۔"

اور ہندوستان میں بھی سیّد احمد و اسمٰعیل صاحبان تو انگریز ہی کے سہارے پر اُٹھے بلکہ انگریز ہی سے ایک نئی اسکیم لے کر چلے تھے۔ انہیں مدّتوں جہاد میں انگریز کی سرپرستی اور اُس کی گہری دلچسپی حاصل رہی۔ اُس نے روپے اور آدمی کی اپنے ہی علاقہ سے بھرمار کرادی۔ اپنے فوجیوں کو اُن کا مُرید کرایا۔ سیّد احمد صاحب کو قلعہ

الٰہ آباد میں سلاطینِ مغلیہ کی نشست گاہ پر بٹھایا کہ کسی طرح ان کا احساسِ کمتری جاتا رہے۔ اور ہمّتِ مردانہ پیدا ہو۔

پہلا کام انگریز نے یہ کیا کہ ان کو حج و زیارت کے بعد سات آٹھ ماہ مکّہ معظّمہ میں روکا اور نجدیوں سے ٹریننگ دلایا۔ نجدیوں نے اُن کو کامیابی کا پُورا الیقین کرا دیا۔ اور اس کام کو کامیاب بنانے والی اسکیم (وہابیت) تھی کہ اُس سے فرقہ واریت پیدا کرنا ضرور تھی۔ وُہ جہاد کے اعلانات کے دوش بدوش چلی۔ جہاد کے اعلان کے ساتھ ہر مبلغ نے وہابیّت بھی پھیلائی۔ فرقہ بندی بہت جلد پھُوٹ پڑی۔ اور اُسی پر اُن کی خلافتِ الٰہیہ کے حصُول کا مدار تھا تو مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کے آرزُومندوں نے سارے ہندوستان میں وہابیت ہی پھیلائی ہے۔

کانگرس سے گٹھ جوڑ

اِس حد تک تو انگریز نے بھی دل کھول کر مدد دی ہوگی۔ اِس واسطے کہ اُس کی حکومت کا قیام اور آئندہ کا استحکام بھی اِسی فرقہ واریت کا مقتضی تھا۔ جس وقت اِنہوں نے اپنی حکومت قائم کرنے کا منصُوبہ بنایا تو اُس نے نگاہ بدلی اور ان کی اِس میٹھی مُراد کو اپنی شمشیرِ آبدار سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ غرضیکہ ہندوستان میں بھی وہابیت ایک چلتی ہوئی اسکیم (حکومتِ برطانیہ) کا ضمیمہ رہی۔ اور آج وُہ کانگریس کے ظلِّ عاطفت میں ساری دُنیائے اسلام میں پھیل رہی ہے۔ اِبتداءً وُہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ضمیمہ تھی۔ اسی نے اُسے برطانیہ عظمیٰ بنایا تھا۔ اُس سے اس کا انضمام ہوگیا۔ پھر جب انگریز کا وقت بگڑتا دیکھا اور کانگریس کے برسرِ اقتدار آنے کے امکانات پیدا ہوئے تو یہ ضمیمہ کانگریس میں لگ گیا۔

ندوی صاحب نے اِس نظریہ سے اگلا سبق دے کر دُنیا کو آموختہ بھلانا چاہا تھا

جو ہمیں بروقت یاد آگیا۔ اب تو ہمارے ناظرین کو بھی یقین ہو گیا ہوگا کہ وہابیت اپنے
جنم دن سے کسی چلتی ہوئی تحریک کا ضمیمہ ہی رہی ہے۔ آج[1] ہندوستان میں کانگریس
برسرِ اقتدار ہے۔ اور وہابیت اس میں ضم ہے۔ کل کو ہندوستان کی کوئی دوسری پارٹی
اگر برسرِ اقتدار آجائے تو خیال ہے کہ حسبِ عادت یہ ضمیمہ اُس میں لگ جائے گا اس واسطے
کہ اُسے ہمیشہ چلتی ہوئی تحریک کا ضمیمہ بننا ہے۔

انضمام کا اثر مدتوں دونوں طرف رہا۔ اور فریقین نے اپنی اپنی جگہ اس انضمام
کا لحاظ و پاس کیا اور اُس سے فریقین نے خاطر خواہ فائدے بھی اُٹھائے۔ اس انضمام
کی بدولت انگریز بلاشرکتِ غیرے ہندوستان کا واحد فرماں روا بن گیا۔ اور اُس کی
حکومت کے مستقبل میں استحکام کے لئے فرقہ واریت قائم ہو کر ہندوستانی مسلمانوں
میں جڑ پکڑ گئی۔ اس گروہ کے مولانا، مولوی، مفتی، حاجی، پیر و مرشد، طبیبِ روحانی،
اور امامِ ربانی تک اُس کے جاں نثار ہو گئے جو آپ پچھلے اوراق میں مفصل پڑھ چکے ہیں۔

پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو

اس انضمام کی بدولت تحریکِ جہاد بہت جلد پروان چڑھی۔ اسی انضمام سے
وہابیت کا حیرت انگیز پھیلاؤ ہو گیا۔ یہ فائدہ تو اُس تحریک کے محرکین کو ہوا کہ اُن
کی جماعت کافی بڑھ گئی مگر مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل ہونا، ان کی آرزو کا یہ حصّہ
ضرور خاک میں مل گیا۔ اُس کا بدل یہ ہوا کہ وہابیت کا ایک مرکز (مدرسہ دیوبند)
ہندوستان میں قائم ہو گیا جس سے انگریز ہندوستان میں اتحادِ اسلامی کے خطرے
سے بالکل محفوظ ہو گیا۔ بلکہ اس خطرہ سے ہندوستان میں آنے والی ہر حکومت محفوظ
ہو گئی۔ اور ہندوستان میں مسلمان کے اُبھرنے کا کوئی امکان ہی نہ رہا۔ یہ ضرور ہے
کہ ہندوستان میں جو حکومت رہے گی وہ فرقہ واریت کے اس مرکز کو ضرور نوازے گی

[1] اِس کتاب کی تالیف کے وقت بھارت میں کانگرس برسرِ اقتدار تھی۔ (ادارہ)

اس واسطے کہ فرقہ واریت ہی میں حکومتوں کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ حالانکہ ہندوستان میں
اہلِ سنت و جماعت بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی اکثریت میں ہیں مگر "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے
لئے حکومت کو فرقہ واریت کا نوازنا ضروری ہے۔ اس وقت بھی ایک سے سو تک
گن جایئے حکومت کی گود میں یہی کھیلتے ملیں گے۔

بھائیو! ہمیں بڑی شکایت تو انگریز سے ہے کہ وہ عیار انسانی ہمدردی کا بڑا مدعی
بنتا تھا اور خود کو امن و سکون کا حامی بتاتا تھا۔ یہ سب کچھ تھا مگر اُس کا عمل یہ تھا کہ اپنی
گندی فطرت سے جان بوجھ کر ہندوستان میں وہ اسکیم چلا گیا جو آگے چل کر مسلمانوں میں
مستقل خلیج بن گئی۔

درحقیقت وہابیت انگریز ہی کی ایک تخریبی اسکیم اور لندن مشن ہے جس کی آڑ
میں انگریز نے سارے ہندوستان پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اور اسلامی اتحاد کو برباد کرنے
کے لئے اُس اسکیم کا برابر تحفظ رکھا۔ اور جب تک وہ رہا سرپرستی کرتا رہا۔ یہاں
ان دونوں سے لندن مشن نے کرنل لارنس کا کام لیا۔ اُس نے اپنی اس حرکت سے
اتحادِ اسلامی میں ایسا شگاف کر دیا ہے جو کبھی نہ بھرے گا۔

مذہب کی آڑ سے حکومت کے خواب دکھا کر اُس نے چند سادہ لوح پھانس لئے۔
ہند و نجد دونوں جگہ وہابیت انگریز ہی کا سیاسی کارنامہ ہے۔ اُسے مذہب سمجھ کر قبول کر
لینا سخت غلطی اور اسلام دشمنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُسے ہندوستان یا نجد میں ابتداءً
اُس تحریک کو چلانے کے لئے کوئی تعلیم یافتہ یا مشہور عالم بلکہ ہوش مند انسان بھی نہ ملا۔
دونوں جگہ اس تحریک کا آغاز سفہاء الاحلام ہی سے ہوا جنہیں اُس نے مداری
کی لکڑی کی طرح جہاں چاہا اور جیسا چاہا استعمال کیا۔ اگر انگریز کا ہاتھ نہ ہوتا تو دونوں
جگہوں میں سے کسی جگہ بھی مسلم کشی نہ ہوتی۔ اندازتو یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سکھوں
پر لشکر کشی انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس لڑائی کو جہاد باور کرانے کی علامت تھی۔

ہمارے اس خیال کی ایک خاص مؤیّد بات یہ بھی ہے کہ عرب کا صحیفۂ جہاد کتاب التوحید اور ہندوستان کا صحیفۂ جہاد تقویۃ الایمان نہیں دو کتابوں نے ان دونوں ملکوں میں فرقہ واریت کی خلیج پیدا کر دی ہے جس سے فرقہ واریت نے زور پکڑا۔ اور اس فرقہ واریت کا آغاز اٹھارویں صدی کے آغاز سے ہوا ہے۔ ورنہ اس سے قبل خاص اِس فرقہ واریت کا کہیں وجود[1] بھی نہ تھا۔

اِتنا تو ہم پہلے ہی دِکھا آئے ہیں کہ کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کے مضامین قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف ہیں۔ ان میں انبیاء و اولیاء کرام کی توہین بڑی بے باکی سے کی گئی ہے۔ اور یہ کہ ان دونوں کتابوں کے مضامین ایک ہی ہیں۔ اور ان دونوں کی تصنیف کا ایک ہی مقصد ہے صرف زبان کا فرق ہے۔ آپ اگر ٹھنڈے دل سے جانچ کریں گے تو اس بنیادی غلطی کو معلوم کر لیں گے اور بعد کے کلی پھندنے اُس بنیادی غلطی کی تائید ہی میں لگتے رہے ہیں۔

تو اب اِتنی ہماری عرض بھی سُن لیجئے کہ اب تو انگریز اور اُس کی ساری اسکیم پر لعنت بھیج دیجئے اور اس لندن مشن کو تباہ کر دیجئے۔ انگریز تو یہاں سے چلا بھی گیا۔ اَب نہ اُس کا کوئی ڈر رہا اور نہ اُس سے کوئی لالچ باقی رہا۔ اب بھی اُس کی اسکیم چلتی رہے اس کے کیا معنے۔

دعوتِ فکر

اِسلام ہندوستان میں ایک غریب الوطن مُسافر کی طرح آیا ہے۔ یہ مدینہ کا مہمان

---

[1] اس جگہ پہلے خارجیت تھی جب وُہ مُردہ ہو گئی تو وہابیت نے اس کی جگہ لے لی بعض اپنی جگہ تھا اور اَب تک ہے، سترھویں صدی عیسوی کے آخر تک کوئی وہابی پیدا نہ تھا۔ کوئی کہیں وہابیت دِکھا دے تو ہم جانیں، یہ وہی دین جدید ہے جو سب سے پہلے ابن عبدالوہاب نے پیش کیا ہے اور نجد سے ہندوستان تک دُشمنانِ سرکارِ رسالت نے اُسے قبول کر لیا اس کے بعد بد مذہبی کے لئے وہابیت کی مرکزی حیثیت ہو گئی۔ اُس کے بعد کی بد اعتقادیاں اُسی کی پیداوار ہیں، یہ انشاء اللہ ہم اگلے حصص میں دکھا دیں گے۔ ۱۲

ہے۔ اس کا وقار بلند کرنے میں مسلمانوں کے دوش بدوش ہو جائیے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو تو وُہ دن بھی آ ہی جائے گا کہ ہماری گئی ہوئی عزّت اور کھوئی ہوئی شوکت پھر مِل جائے گی۔

ہر شخص[1] کو اِختیار حاصل ہے کہ اِن احادیثِ مذکورہ بالا کو کُتُب احادیث میں دیکھے اور جانچے اور اُن کا مفہوم سمجھے۔ اور اُن کا مِصداق (جس پر یہ چسپاں ہیں) خود تلاش کر لے اور جو عبارتیں اُنہیں کی کتابوں سے اُٹھائی ہیں اُن کا اصل کتاب سے مقابلہ کرے اُس کے بعد خود ایک نتیجہ نکالے۔ تو جن جن پر سرکارِ دو عالم کے مذکورہ بالا احکام لگتے ہوں اُن کے ساتھ ان احکام پر سختی سے عمل کرے۔

پہلے اِن احادیث کو صحاح ستّہ و دیگر کتبِ احادیث میں دیکھئے۔ جب احادیث آپ کو مل جائیں تو ان احادیث کی نشانیاں بحیثیت مجموعی کس گروہ میں ہیں۔ اُس گروہ کو تلاش کیجئے۔ جب آپ کو وُہ گروہ مِل جائے اور آپ پُورے مطمئن ہو جائیں تو اُن سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو طرزِ عمل بتایا ہے وُہ اِختیار کیجئے۔

نوٹ:۔ ان جعلی مسائل سے فائدہ اُٹھانے کا کِسی کو موقع نہ دیا جائے گا کہ سیّد احمد صاحب کے الہامات پُورے نہ اُترے تو خُدا پر جھوٹ بولنے کا الزام رکھ کر بات ٹال دی یعنی جب الہام بھیجنے والے ہی نے غلط بھیجا تو سیّد احمد صاحب پر کیا الزام رہا یا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیش گوئیوں کی سچائی کو حرفِ غلط کی طرح مٹنے کے لئے یہ عقیدہ تراشا کہ سرکارِ دو عالم[2] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا جیسا علم اُن کو تھا ویسا علم تو معاذ اللہ ہر مجنوں ہر پاگل ہر کتے ہر سؤر کو حاصل ہے[3]۔ ہم

---

[1] ہر شخص کو وہابیت کی روک تھام کرنی چاہیئے تاکہ شیطان اخرس والا گناہ سر نہ آئے اور تبلیغ کا ثواب ہاتھ سے نہ جائے۔ [2] یہ خلیل احمد انبیٹھوی کے الفاظ ہیں [3] مولوی اشرف علی صاحب نے ایسے الفاظ لکھ کر بڑی شہرت پائی اور حکیم الامت کا خطاب پایا۔

اِن پیش گوئیوں کو اس لِئے سچّا سمجھتے ہیں کہ رسُول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشادات ہیں جن کی نسبت قرآن پاک یہ فرماتا ہے :۔

ماینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یوحٰی

ہمارا رسُول اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا بلکہ اُن کا فرمان وحی ہے جو بھیجی گئی ۔

یہ اَور سونے پر سہاگہ ہے کہ ہر فرمان سرکارِ رسالت کی اِنہیں منکرین کے کردار نے پوری پوری تصدیق پیش کردی ۔ یہ سب کچھ آپ پچھلے اَوراق میں پڑھ ہی آئے ہیں اِس گروہ کے بعض لوگ یہ کہہ کر بات ٹال دیتے تھے کہ اِن حدیثوں میں جس گروہ کا ذکر ہے وُہ پیدا ہوکر کبھی کا ختم ہوگیا۔ تو سرکار ہی نے یہ فرما کر اِس ٹال مٹول کو ختم فرما دیا۔

لایزالون یخرجون حتی یخرج اٰخرھم مع المسیح الدجال ۔

اس گروہ والے برابر نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ اُن کا آخری حصہ مسیح دجال کے ساتھ نِکلے گا (یعنی پچھلا گروہ بھی مسلمانوں سے قتال کرے گا)

مسلمانوں کا قتل و غارت جو اِس گروہ کی فطرت ہے وُہ قیامت تک اِس گروہ کے معمُول میں رہے گی اَور بفحوائے حدیث مذکُور اِس گروہ کا آخری حِصّہ سب سے بڑے دجّال کا معاون ہوگا۔ اس واسطے کہ اس وقت چلتی ہوئی تحریک دجال ہی کی ہوگی ۔ اُس دجّال کی فوج میں وُہی لوگ لِئے جائیں گے جن پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لیس منافی شیٔ کا لیبل لگ گیا ہوگا۔

مُخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلّم کی کچھُ اَور پیش گوئیاں

یہ تقدیرِ الٰہی ہے کہ اب تک جتنے دجّال آئے اِنسانی شکل میں آئے ۔ اَور آئندہ بھی اِنسان ہی کی شکل میں آئیں گے ۔ غافل دُنیا کو اب تک دھوکا دیا اَور آگے چل کر دھوکہ دیں گے ۔ اس کے پیش نظر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اِس کا

بھی اِنتظام فرما دیا تھا کہ کوئی دجال کسی مسلمان کو بہکانے میں کبھی کامیاب ہی نہ ہو اِس لِئے آپ نے آنے والے دجالوں کے نام اُن کی ولدیت اَور قبیلہ تک بتا دیا تھا حضرت اُبوحذیفہ کی یہ روایت اَبُوداؤد میں موجُود ہے ۔

واللہ ما ادری انسی اصحابی ام تناسوا ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم من قائد فتنۃ الی ان تنقضی الدنیا یبلغ من معہ ثلثمأۃ فصاعداً الّا سماہ لنا باسمہ واسم ابیہ واسم قبیلتہ ۔

بخدا میں نہیں جانتا کہ میرے دوست خود بھولے یا بھلائے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو کسی قائد فتنہ کو جو قیامت تک ہوں گے نہ چھوڑا تھا جن کی تعداد تین سو سے زائد ہو گئی تھی مگر قائد فتنہ کا نام اَور اُس کی ولدیت اَور اُس کا قبیلہ تک بتا دیا تھا۔

مسلم شرِیف میں اُنہیں ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ سے ذِکر کی ہے ۔

واللہ انی لاعلم الناس بکل فتنۃ ھی کائنۃ بینی وبین الساعۃ ومابی الا ان یکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسر ذٰلک الیّ شیئاً ولم یحدثہ غیری

بخدا میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں ہر فتنہ کا جو فتنے روزِ قیامت کے درمیان ہونے والے ہیں اَور مجھے (ان کے بتانے میں) کوئی روک نہیں مگر یہ کہ سرکارِ دوجہاںؐ نے مجھے ایسا رازدار بنایا کہ میرے سوا اَور کسی سے بیان نہ فرمائے

یہ تو حضرت ابوحذیفہ بن الیمان کے بیانات تھے جو مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں مذکور ہوتے ۔ اَب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ حدیث سنئیے جو ترمذی شریف میں ہے ۔

قال صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العصر ثم قام خطیباً فلم

فرمایا حضرت ابوسعید خدری نے نمازِ عصر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ہمارے

يدع شيئًا يكون الى قيام الساعة الا اخبرنا به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه۔

ساتھ ادا فرمائی پھر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے پس نہ چھوڑا آپ نے کسی چیز کو جو قیامت تک ہونے والی ہے مگر ہمیں مطلع فرما دیا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

اِن روایتوں سے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے دُنیا بھر کے دجالوں کے نام، اُن کی ولدیّت، اُن کے قبیلے اور سکونت تک بتادی تھی۔ مگر اس معاملہ کا راز میں رکھنا ہی نظامِ قدرت تھا، لہٰذا وُہ روایات اکثر صحابہ کو بھلا دی گئیں۔ اور جن کو یاد تھیں اُن کو راز رکھنے کی ہدایت فرمادی گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور وُہ روایتیں بھی دیگر احادیث کی طرح دُنیا میں پھیل جاتیں تو دُنیا۔ اِسلام ہر زمانہ میں اپنے دَور کے دجّال کو شناخت کرلیتی اور اُن سے بچنے کے لِئے کوئی نہ کوئی تدبیر اختیار کرلیتی۔ آج کل خطرے کی تقطیع کا رواج ہے تو وُہی دجّال کی پیشانی پر نصب کرادی جاتی یا خطرہ کی گھنٹی یا ہارن سے کام لے لیا جاتا۔ مگر ربّ العزّت کو تو ہمارا امتحان منظور تھا اور ہے۔ تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ کِسی دجال کا دجل و فریب واشگاف کر دیا جائے۔ اگرچہ ہمارے سرکار نے خطرے کی تقطیع والی عبارتوں کا بھی اعلان فرما دیا ہے۔ اِرشاد فرماتے ہیں :-

اياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم يدعون الى كتاب الله وليس منا[2] فى شئ سيماهم التحليق[3] سفهاء الاحلام[4]۔

اُن سے دُور رہو اور اُن کو دُور رکھو تمہیں گمراہ نہ کردیں فِتنہ میں نہ ڈال دیں کتاب اللہ کی طرف لوگوں کو بلائیں گے ہم سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ ان کی (خاص) نشانی سر منڈا ہوتا ہے۔ بے وقوف ہوں گے۔

ذِلّت و رُسوائی کا دَور اور طوقِ لعنت کا اِستعمال روزِ ازل ہی سے جس معصیت

پر شروع ہوا تھا وُہ توہینِ سرکارِ نبوّت ہے جس کی پاداش میں ازل سے ابد تک شیطان مبتلاء عذاب ہی رہے گا۔ ربّ العزّۃ عادل ہے۔ اور توہینِ سرکارِ رسالت کی اِتنی لمبی سزا عدل ہے معاذ اللہ ظلم نہیں۔

اِس سزا سے اِس جُرم کا معیار معلوم کر لیجئے کہ نبی اللہ کی توہین کیسا جرمِ عظیم ہے کہ اُس سے لمبی سزا اور کِسی جرم میں نہ دی گئی۔ شیطان کو اُس کے بے شمار سجدوں اور نمازوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ لہٰذا کِسی بھی توہین کرنے والے کو اپنے روزے نماز سے کیا اُمّید ہو سکتی ہے۔

احادیث مذکورہ بالا میں سے اگر کِسی بھی حدیث کے متعلق کوئی صاحب کلام کریں کِسی راوی پر جرح کریں یا کِسی حدیث کا موضوع ہونا ثابت کریں۔ اوّل تو یہ جرح قدح احکام حلال و حرام ہی تک مناسب ہے۔ ان احادیث میں یہ جرح بیکار ہے۔ اگر کِسی کو پھر بھی ضِد ہی ہو تو اُس کی ضِد یہاں اُسے اصلاً مفید نہ ہوگی۔ اِس واسطے کہ کِسی بھی حدیث کا معیارِ صحت حدیث پر صحیح اُترنا اور بات ہے اور کِسی خبر کا واقعہ کے مطابق ہونا دُوسری بات ہے۔

یہ سب حدیثیں مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی دی ہُوئی خبریں ہیں جو آج گیارہ بارہ صدی کے بعد حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ اور اُن کی صِحت کے ثبوت میں اُنہیں لوگوں نے اپنا کردار پیش کر دیا جن سے متعلق تھیں۔ باوجودیکہ وُہ خود بھی احادیثِ صحاح میں اِن حدیثوں کو پڑھ چکے ہوں گے۔ وُہ ملزمان خود بھی اِن سب خبروں سے پُوری طرح واقف ہو چکے ہوں گے۔ جب بھی خود کو ان پیش گوئیوں کی زد سے نہ بچا سکے اور ہمارے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی پیش گوئیاں اُنہیں کے ہاتھوں سے پُوری ہو کر رہیں تو اب علمِ غیب سرکارِ دو عالم سے اِنکار اِن مُنکِرین کی بدترین حماقت ہے۔ اِس اِنکار کی حقیقت "کھسیانی بلّی کھمبا نوچے" سے زیادہ نہیں ہے۔ اور سیّد احمد صاحب

کی جھوٹی پیش گوئیوں کے پیشِ نظر امکانِ کذب باری تعالیٰ کا قائل ہو جانا بھی ایسا ہی
لچر ہے "سر پہ چڑھ کے بولے" کا مظاہرہ اِس سے اچھا ہو نہیں سکتا۔

ابنِ عبدالوہاب کے متعلق اکابر عُلمائے دیوبند کی آراء

صاحبو! ابنِ عبدالوہاب نجدی ابتداء بارھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا
چونکہ خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتا تھا اِس لئے اُس نے اہلِ سنت و جماعت
سے قتل و قتال کیا۔ اُن کو بالجبر اپنے خیالات کی ترغیب دیتا رہا ان کے اموال کو غنیمت
کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہلِ حجاز کو عموماً
اور اہلِ حرمین کو خصوصاً اُس نے تکالیفِ شاقہ پہنچائیں سلفِ صالحین کی شان میں الفاظِ
گستاخی استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اُس کے تکالیفِ شدیدہ کے مکہ معظمہ
اور مدینہ طیبہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اُس کے اور اُس کی فوج کے ہاتھوں
شہید ہو گئے۔

الحاصل وُہ ایک ظالم و باغی و خونخوار و فاسق شخص تھا۔ ابنِ عبدالوہاب کا عقیدہ
یہ تھا کہ جُملہ اہلِ عالم و تمام مسلمانانِ دیار کافر و مشرک ہیں۔ ان کے اموال ان سے چھین
لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے[۱]

چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے اس کے ترجمہ میں خود ان دونوں باتوں کی
تصریح کی ہے۔ شانِ نبوّت حضرتِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسّلام میں وہابیہ
نہایت گستاخی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو مماثل ذاتِ سرورِ کائنات
کا خیال کرتے ہیں۔ اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانۂ تبلیغ کی مانتے ہیں اور اپنی شقاوتِ
قلبی و ضعفِ اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہِ راست پر لاتے ہیں

۱؎ منقول از کتاب شہابِ ثاقب مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند

اُن کا خیال ہے کہ رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی حق اب ہم پر نہیں اور نہ کوئی احسان
اور نہ کوئی فائدہ اُن کی ذات سے بعدِ وفات ہے۔ اِسی واسطے توسّل دُعا میں آپ کی
ذات سے بعدِ وفات ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے معاذ اللہ نقلِ کفر
کفر نہ باشد کہ "ہمارے ہاتھ کی لاٹھی ذاتِ سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے زیادہ
نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں۔ اور ذاتِ فخرِ عالم سے تو
یہ بھی نہیں کر سکتے" مسعود عالم ندوی اور ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اپنے شیخ الاسلام
ابنِ عبدالوہاب نجدی کے متعلق اپنے شیخ الہند کا یہ اعلان دیکھ کے دم سادھ گئے۔ اور
ندوی صاحب کی فطرت نے زور کیا تو علمائے اہلِ سنت پر اپنی کتاب میں کھسیا کھسیا کے
تبرّا کیا ہے۔

ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحبِ دُرِّ مختار نے فرمایا ہے۔ یہ خوارج کی
ایک جماعت شوکت والی ہے جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی۔ تاویل سے امام کو باطل
یعنی ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اِس تاویل سے یہ
لوگ ہمارے جان و مال کو حلال سمجھتے تھے۔ ہماری عورتوں کو قیدی بناتے تھے (آگے
لکھتے ہیں) ان کا حکم باغیوں کا ہے (یعنی واجب القتل ہیں) اور علامہ شامی نے اپنے
حاشیہ میں فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ابنِ عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا
کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر مسلّط ہو گئے۔ اپنے آپ کو حنبلی مذہب بتاتے ہیں لیکن
اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ وُہی مسلمان ہیں۔ اور جو اُن کے خلاف ہو وُہ مشرک ہے۔ اِسی بناء
پر اُنہوں نے اہلِ سنت و علماء اہلِ سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے
اُس کی شوکت توڑ دی۔

۱؎ ظالم باغی۔ خونخوار فاسق منقول از کتاب التصدیقات لدفع التلبیسات المعروف بہ مہند ص ۱۳

اسمائے مصدّقین

شیخ الہند وہابیاں مولوی محمود الحسن دیوبندی۔ وہابیوں کے حکیم الامہ مولوی اشرف علی تھانوی۔ مولوی احمد حسن امروہی۔ مولوی عزیز الرحمٰن دیوبندی مولوی حبیب الرحمٰن دیوبندی

مولوی انور شاہ شیخ الحدیث دیوبند کی رائے

اما ابن عبد الوهاب النجدی	ابن عبد الوہاب نجدی بڑا ناسمجھ اور کم علم
فانه کان رجلا بلیدًا قلیل العلم	انسان تھا وہ مسلمان کو بہت جلد کافر
وکان یسارع الحکم بالکفر۔	کہہ دیتا تھا۔

ابن عبد الوہاب کے متعلق جب ہم نے اکابر وہابیہ کی رائے شماری کی ہے تو لاؤ اب سیّد احمد صاحب ساکن تکیہ رائے بریلی کے متعلق بھی رائے شماری کر ہی لیں۔

سیّد احمد صاحب ساکن تکیہ رائے بریلی کے متعلق رائیں

ابو الکلام صاحب آزاد

اسلامی ہند میں بنا رتجدید کی ابتدا حضرت مجدّد سرہندی نے کی۔ اور تعمیر و تزئین امام ولی اللہ دہلوی کے ہاتھوں سے ہوئی۔ مگر خاک وخون سے کھیلنا (تتمہ دودمان) ولی اللّٰہی (مولوی اسمٰعیل) کے لئے مقدّر کیا گیا تھا۔

(مؤلف۔ اس سلسلہ میں انہوں نے سیّد احمد صاحب کا نام تک نہ لیا۔ نہ ندوی صاحب کی طرح سیّد احمد صاحب کی شہادت کے قائل معلوم ہوتے ہیں)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

یہ سیّد احمد صاحب و اسمٰعیل صاحب کو تجدید دین کی تحریک کا امام سمجھتے ہیں۔

(مؤلف۔ اس کے راوی بھی ندوی صاحب ہیں۔ یہ حضرت مجدّد صاحب اور ولی اللہ صاحب کا نام تک نہیں لیتے)

مولوی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ندوی

شہیدین کو امام ولی اللہ کی تجدید کا تتمہ سمجھتے ہیں (بروایت ندوی صاحب)

(مؤلف۔ یہ آج کل لوگوں کو انہیں کی امّت میں بھرتی کر رہے ہیں)

مسعود عالم صاحب ندوی

"اسلامی تحریک" کے ص۴۲ میں لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مجدّد سرہندی اور امام ولی اللہ دہلوی کی تیار کردہ عمارت کی تکمیل حضرت شہید دہلوی کے پیر و مرشد حضرت سیّد شہید بریلوی کی ذاتِ گرامی سے ہوتی ہے۔

(مؤلف۔ پھر اسی صفحہ میں تقسیم مراتب کے سلسلہ میں لکھا۔ "بہر حال مرید و عقیدت مند ہی کی قسمت میں یہ بلند مرتبہ تھا تو پیر و مرشد کے مراتب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے"

انگلستان کے مشہور مؤرّخ ہنٹر کی رائے

ندوی صاحب خود لکھتے ہیں "مولوی طفیل صاحب مرحوم نے ہنٹر کی کتاب کے اتنے اقتباسات اپنی کتابوں میں دیئے"

پھر کہا "ایک مشہور عالم نے اپنی تقریروں میں اس کثرت سے اس کے حوالے پیش کر کے لوگوں کو اس دریدہ دہن مصنّف کی کتاب سے ہمدردی پیدا کرا دی وہ سیّد شہید کو ڈاکو[1]۔ رہزن۔ فریبی لکھتا ہے۔ مختصراً

---

[1] سر ولیم ... ہنٹر نے اگران کے دور پنڈاریت کے پیشِ نظر انہیں ڈاکو۔ رہزن۔ فریبی لکھا تو ظاہر ان الزاموں سے اُن کی براءت کی کوئی صورت میری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ اوصاف تو ہر پنڈاری میں ہوتے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور مولوی عبید اللہ سندھی اُن کی بیعتِ امامت کو ڈکٹیٹر شپ بتاتے ہیں (حسب بیان مسعود عالم ندوی)

ندوی صاحب کا میں بے حد ممنون ہوں کہ اُن کے انوکھے طرزِ بیان سے اِس انگریزی جہاد کے بکثرت راز ملے منجملہ اُن کے مؤرّخِ انگلستان سر ہنٹر کی رائے جو اُنہوں نے سیّد احمد صاحب کے متعلق قائم کر رکھی تھی۔ ندوی صاحب نے حسبِ عادت ہنٹر صاحب پر دورانِ تبرا ایسی کہہ ڈالی ورنہ۔ نہ ہمیں ہنٹر صاحب کی کتاب مِلتی نہ اِس معاملہ میں اُن کی صائب رائے کا پتہ چلتا۔ اِس رائے کے بارے میں ہنٹر صاحب پر تبرّا "جلے دِل کے پھپھولے پھوڑنے" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

ہنٹر صاحب نے امیر خاں پنڈاری کے ساتھ سید احمد صاحب کو سات سال شب و روز سرگرمِ عمل دیکھ کر اگر سیّد احمد صاحب کو ڈاکو و رہزن کہہ دیا تو کیا بُرا کیا۔ آپ ہی ذرا اُن کو والہانہ عقیدت کی عینک اُتار کے پنڈاریوں کے ساتھ دوا دوش کرتے دیکھئے دیکھیں آپ کیا کہتے ہیں۔

اب ذرا آئیے۔ ہم آپ کو اُس خیمہ میں لے چلیں جو دونوں لشکروں (پنڈاری لشکر اور انگریزی فوج) کے درمیان ایستادہ ہے۔ وہاں چل کے دیکھئے کہ ہندوستان کی قسمت کا کیا فیصلہ ہو رہا ہے۔ اور فیصلہ کرنے میں کون کون شریک ہیں۔ وُہ دیکھئے لارڈ ہسٹنگ کی صدارت میں سیّد احمد صاحب طوقِ غلامی ہاتھ میں لئے امیر خاں کے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہی ہیں سیّد احمد تو امیر خاں کے ساتھ سات سال سایہ کی طرح رہے ہیں۔ اور پنڈاریوں کے ایک دستہ پر افسری کی ہے۔ لوگوں کا تو یہ خیال ہے امیر خاں کا کوئی ساتھی سُلطانہ ڈاکو اور دھارا بجتیا سے کم نہ رہا ہوگا۔ ہمیں تو افسوس صرف اِتنا ہے کہ اِن حضرات کو اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کرانے کے لئے کوئی اور نہ مِلا۔ بقول ہنٹر صاحب جرائم پیشہ یا مشکوک و مشتبہ آدمی سے ہندوستان میں اِسلام کی نشاۃ ثانیہ کرائی جس کی زندگی کے سات سال پنڈاریت (ڈکیتی۔ رہزنی) میں گزر گئے۔

بقول سر ولیم سید احمد ڈاکو۔ رہزن۔ فریبی تھا۔

گلے میں پہنانے کی رسم خود ادا کر رہے ہیں۔ آج ہندوستان میں انگریز کی غلامی کا اِفتتاح ہوا اور سیّد صاحب کے ہاتھ سے ہوا۔

اِس واقعہ کو مرزا حیرت نے حیاتِ طیّبہ کے صہ ۲۹۵ پر یُوں لکھا ہے "انگریزوں نے بپھرے ہُوئے شیر کو اِس حکمت سے پنجرے میں بند کر دیا"۔

حالانکہ خود ہی اس سے اگلے صہ ۲۹۴ میں یہی مرزا حیرت لکھ آئے ہیں کہ "سیّد احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اُتارا تھا۔ امیر خاں کو یقین دلایا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیئے بُرا نہیں تو تمہاری اولاد کے لئے سمِ قاتل کا اثر رکھتا ہے"۔

اب بتائیے کہ شیشہ میں اُتارنا کیا فریب دینا نہیں ہے۔ اِسی لفظ فریبی کا مرادف آپ کے مستند مورّخ کہیں تو حرج نہیں اور ہنٹر صاحب کہیں تو وُہ محض غیر ہیں اُنہوں نے کہا تو تبرے کے مستحق ہُوئے۔ اِس میں بھی اپنے پرائے کا فرق ملحوظ ہو رہا ہے۔ اِفسوس ہندوستان میں اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ ایسے کردار والے سے کرائی گئی۔ لہٰذا اِسی وجہ سے مسلمانوں کی حالت روز بروز رُو بہ زوال ہے۔ ردِّ عمل کی ضرورت ہے۔

حق و باطل کی ایک عجیب شناخت

جس کا عام طور پر مسلمانوں نے ایک اچھوتا معیار قائم کر رکھا ہے۔ اُن کا پختہ خیال یہ ہے کہ جس مذہب و مِلّت کی پیروی میں اِنسان کو درجۂ ولائیت کا فیضان ہو وُہ حق ہے۔ اور جس مذہب کی پیروی میں کسی کو یہ شرف حاصل ہی نہ ہو وُہ باطل ہے۔ یہ شناخت بھی عجیب شناخت ہے۔ واقعی جس مذہب کی پیروی میں فیضانِ ولایت ہوتا ہو وُہی مذہب حق ہونا بھی چاہیئے۔ اور جس مذہب کی پیروی فیضانِ ولایت سے محرُوم ہو وُہ اصولاً بھی باطل ہی ہوگا۔ اِس واسطے کہ اِنسان دُنیا میں خلیفۃ اللہ

فی الارض ہو کر آیا ہے۔ اُس کو عبادت و ریاضت سے رُوحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کرنا ہیں۔ جب اُس کے مدارج بلند ہوں گے تو اُس کے ہاتھ پر کرامتوں کا بھی ظہور ہوگا۔ اور وُہ انوارِ الٰہی سے مستقبل کو بھی دیکھ لیا کرے گا۔

انسان کولھو کا بیل نہیں ہے کہ دن بھر چلے اور صبح کو جہاں سے چلا تھا شام کو وہیں ملے۔ اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو اولیائے کرام اُنہیں لوگوں میں اب تک ہُوئے اور موجود ہیں اور آئندہ بھی اُنہیں میں ہونے کی اُمید ہے جن کو اہلِ سُنّت و جماعت کہا جاتا ہے۔

ہمارے پیشِ نظر ہندوستان کے بعض اجلّہ اولیاء کرام کے حالات ہیں۔ جو بلا امتیازِ مذہب و ملّت دُنیا بھر کے مانے ہُوئے ولی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے معمولات میں از سر تا پا مذہبِ اہلِ سُنّت کی پابندی پائی جاتی ہے۔ اور اِسی مذہب مہذّب کو یہ شرف ملنا بھی چاہیئے۔ اِس واسطے کہ منصبِ ولایت کا احترام بھی اِسی مِلّت میں ہے۔

اُس مِت سے اور شرفِ ولایت سے کیا واسطہ جہاں اولیاء اللہ کی عزّت و عظمت ہی نہ ہو۔ خُدا نے اِس منصبِ جلیل ولائیت کو اُس کے قدر دانوں ہی میں رکھا ہے۔ اگر کسی صاحب کے دماغ میں ایسے کسی صاحب کا نام محفوظ ہو جو عقیدۃً وہابی ہوں اور اولیاء اللہ میں اُن کا شمار ہو تو مجھے بھی ضرور مطلع کریں تاکہ میں اِس شناخت کو جانچ سکوں۔

اگر صرف عبادت و ریاضت ہی پر مدارِ کار ہوتا تو شائد ابلیسِ لعین سب سے بڑا ولی ہوتا۔ تو جس قائم اللیل اور صائم الدہر کی عبادت پر فیضانِ ولایت نہ ہوتا ہو اُسے ڈرنا چاہیئے کہ اُس کی یہ ساری عبادت و ریاضت ابلیسی عبادت کے ذیل میں تو شمار نہیں ہو رہی ہے۔

سعد و نحس

دُنیا کے لوگ آنے والے حوادث میں سعد و نحس سے بھی جانچ کرتے ہیں۔ بعض حوادث ایسے ہوتے ہیں کہ جس میں قوم سے اُس آنے والے حادثہ کا تعلق ہوتا ہے۔ اتفاقاً اس قوم کے لیئے فلاح و بہبُود کے دروازے کھُل جاتے ہیں۔ اور مدتوں وُہ قوم امن و امان اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتی ہے اور بعض حوادث اس کے برعکس ہوتے ہیں کہ اُن کا ظہور اتفاقاً ساری قوم و ملک کے لیئے بلاءِ ناگہانی بن جاتا ہے اور ساری قوم پر نحوست چھا جاتی ہے۔ شرعِ مطہر نے تو عقیدے کے تحفظ کے پیشِ نظر اس سعد و نحس کو نظر انداز ہی کر دیا مگر دُنیا میں اِس کا بڑا چلن ہے۔

خلافتِ عثمانیہ کی شکست و ریخت

آیئے نجدیوں کا حرمین شریفین میں بقول ندوی صاحب "فاتحانہ داخل ہونا" اور بے گناہوں کا قتلِ عام اور خواتینِ حرم کی آبرو ریزی کر کے "حرم کو شرک و بدعت کی آلودگیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہونا" دکھائیں جو نجدیوں کے ہاتھوں سنہ ۱۸۰۳ء میں ترکی قلمرو میں ہوا۔ یہ سب کچھ ترکوں کی غفلت سے ہوا یا اُن کی بے توجہی سے ہوا یا اُن کی مجبوری کے وقت ہوا۔ پھر اس منحوس حرکت کے بعد نجدیوں پر کیا گزری سلطنت عثمانیہ کا کیا حشر ہوا اور دیگر ممالکِ اسلامیہ پر کیسی عالمگیر تباہی آئی وہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے

اِس کتاب کا یہ حصہ ذرا قصّہ طلب ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ اٹھارویں صدی کے آخر میں ترکوں اور انگریزوں میں کشیدگی بڑھ رہی تھی۔ انگریز حفظِ ماتقدم کے لیئے ترکوں کے پرانے دشمن رُوس کے حلیف ہو گئے۔ حالانکہ انگریز بھی رُوس کو اچھا نہ سمجھتے تھے مگر وُہ ترکوں کے مقابلہ میں اپنے ہر دُشمن کے حلیف ہو سکتے تھے۔

ترکوں نے جب انگریز کی یہ شاطرانہ چال دیکھی تو اُنھوں نے بھی نپولین بوناپاٹ شاہِ فرانس سے معاہدہ کر لیا جو انگریزوں کا جانی دشمن تھا۔

اُنیسویں صدی کا آغاز ہوا۔ سُلطان سلیم ثالث کا دَور تھا۔ اُنھوں نے نپولین کے فوجی ماہرین کو ترکی بُلایا کہ وُہ ترک فوجوں کو جدید اصولِ جنگ سکھائیں۔ ترک سپاہیوں نے جدید اصولِ جنگ کی مشق کی۔ اب تک ترک سپاہی اپنی پرانی وضع کی ترکی قومی وردی پہنتے تھے۔ اَب اُن کو سلطان نے کوٹ پتلون وردی میں دیئے تو فوجیوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ یہ نصرانیوں کا لباس ہے۔ ہم اسے نہ پہنیں گے۔ اِس پر سلطان کی طرف سے سختی اَور فوجوں کی طرف سے ضِد بڑھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترک فوجوں نے بادشاہ سے عام بغاوت کر دی بجز نیگ چری فوج (جو دارُالسلطنت کی اَور بادشاہ کی جان کی حفاظت پر مامُور تھی) کے اس بغاوت سے کوئی نہ بچ سکا۔

وُہ دَور سلطنتِ عثمانیہ کے لِئے بڑا نازک دَور تھا۔ ساری فوجیں مطلق العنان تھیں اَور ساری فوجیں ترکی ممالک سے دارالسلطنت کی طرف سمٹ رہی تھیں۔ اَور انگریزی جاسوس اس بغاوت کو خوب ہوا دے رہے تھے۔

یہ واقعہ غالباً ۱۸۰۲ء کا ہے۔ اس زمانہ میں ابنِ عبدالوہاب نجد کے صحرائیوں میں کافی اِقتدار حاصل کر چکا تھا۔ وُہ لوگوں کو روزہ نماز کی تبلیغ کر کے اپنا اثر بڑھا رہا تھا۔ صحرائے نجد میں اس کی تحریک سے جگہ جگہ مسجدیں بن رہی تھیں اُس وقت انگریز کی نظر ابن عبدالوہاب پر پڑی۔ اُسی وقت اُس نے ابنِ عبدالوہاب کو بغاوت کے لِئے اِنتخاب کر لیا۔

خلیج فارس تک انگریز کے تجارتی جہاز آتے تھے اَور تجارت کی آڑ سے انگریز اندرُونِ ملک (حسا۔ بحرین۔ نجد اَور کویت) کا دَورہ کرتے رہتے تھے۔ انگریز کو ترکوں کی مصیبت کے اسباب میں اضافہ کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آیا تو وُہ کب چُوکنے والا تھا۔ اُس نے ابنِ عبدالوہاب

کو لبھایا۔ پھر اُسے امیر درعیہ (خاندانِ سعُود کے مورثِ اعلیٰ) سے ملایا۔ اَور ان دونوں کو مذہب کی آڑ سے حکومت حاصل کرنے کا لالچ دیا۔ اَور اس کے لِئے مسلمانوں میں فرقہ واریت پیدا کرنے کی شدید ضرورت کا اِحساس کرایا۔ غرضیکہ ان دونوں کو پکا وہابی انگریز ہی نے بنایا۔

فرقہ واریت پیدا کرنے کے لِئے نئے نئے مسائل گھڑے گئے۔ اِن مسائل میں بھی انگریزی ذہنیت علیحدہ چمک رہی ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اِبتدا۔ عرُوجِ اسلام میں یورپ کے بڑے بڑے پادریوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ مقدسہ پر نئے نئے اِلزام تراشے اَور دُنیا میں پھیلائے۔ تب وُہ عیسائی دُنیا کو اِسلام کے سیلاب سے بچا سکے تھے۔ سیّدہ ہاجرہ کو باندی کہہ کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو باندی کی اَولاد بتایا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس حیرت انگیز طریقہ سے دُنیا کو سدھارا۔ جو اعلیٰ تعلیم دُنیا کے سامنے رکھی۔ اَور اپنی ذاتِ مقدسہ سے جن اخلاقِ کریمہ کا مظاہرہ فرمایا۔ اُسے انہیں پادریوں نے ہبیرا راہب (عیسائی) کی تعلیم و تربیت کا اثر بتایا۔

غرضیکہ توہینِ سرکارِ رسالت جو انگریز کی پہلی اسکیم تھی اُسی توہین سے اس اسکیم (وہابیت) کا صحرائے نجد میں آغاز ہوا۔ سُوءِ اِتفاق کہ ابنِ عبدالوہاب بھی تمیمی تھا۔ اَور ذوالخویصرہ تمیمی کے خاندان سے تھا (جس کا واقعہ آپ اُوپر پڑھ آئے ہیں) یہ توہین اُسے وراثتہً پہنچی تھی۔ اِس لِئے اس کو بھی پسند آئی۔ اس اسکیم وہابیت کی یہ حقیقت ہے۔ جب نجد میں اس کی اسکیم کامیاب ہوئی تو اُس نے تیس نجدی مولویوں کا ایک وفد ساکنانِ حرمین محترمین کو وہابی بنانے کو بھیجا۔ جن کو وہاں کے عوام نے گرفتار کر کے حکومت کے سپرد کر دیا۔ وُہ لوگ یہاں قید ہو گئے۔

اسکیم وہابیت حجاز میں ناکام رہی تو دنیا۔ اسلام پر جہاد کی اسکیم شروع کی گئی حرمین اَور اُس کے حوالی سے جہاد کا آغاز بھی انگریز ہی کی خلبیث ذہنیت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

اسلام کا نام لینے والے کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ ابن عبدالوہاب اُس وقت انگریز کے ہاتھ میں ایسا تھا جیسے قلندر کے ہاتھ میں سونٹا کہ اُس کا جہاں جی چاہا مار دیا۔ ورنہ اس سے قبل بھی اسلام میں پیدا ہونے والے فرقوں کے بڑے زور رہے ہیں مگر مقاماتِ مقدسہ کی طرف کسی نے تیز نگاہ سے بھی نہیں دیکھا حصولِ حکومت کے لیے لڑائیاں ہوئی ہیں خوں ریزیاں ہوئی ہیں۔ مگر اُن کا مقصد حرمین شریفین کا تباہ کرنا کبھی نہ معلوم ہوا۔ لوگ حرمین شریفین میں حکومت کے باغی اور حریف حکومت کے ہوا خواہ کی حیثیت سے قتل کئے گئے ہیں۔ مگر محض باشندگانِ حرمینِ محترمین کی حیثیت سے نہ کاٹے گئے یہ خالص کافر ذہنیت تھی جو انگریز ہی کی ہو سکتی ہے۔ وہابی تو صرف آلۂ کار تھے خود سادہ لوح تھے۔ انگریز ہی نے اس سے حرمین میں مسلم کشی کرائی جو مسلم کشی بعد میں اُن کا خمیر بھی ہو گئی ہے۔

خیر۔ حرمین محترمین کے قتلِ عام کی پاداش میں نجدیوں کا قتلِ عام محمد علی پاشا مصری اور ان کے بیٹے ابراہیم پاشا نے کر دیا۔ حرمین شریفین پر قبضہ کر کے ان کی ہمتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ اس جیسے حملے عراق و شام پر بھی کرنے لگے تھے۔[۱] اُس وقت دُنیاء اسلام آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں کہ اُن کی نظر میں ابولہب و ابوجہل سے کفر و شرک میں بڑھی چڑھی تھی لہٰذا اُن کے ارادے ساری دُنیاء اسلام کے خُون سے ہولی کھیلنے کے تھے مصری باپ بیٹے اُن کا استیصال نہ کر دیتے تو پہلے عثمانی قلمرو میں اور پھر ساری دُنیاء اسلام میں ندوی اور مودودی صاحبان کے من بھاتی نشاۃِ ثانیہ کر گزرتے۔

۱؎ مسعود عالم ندوی نے اپنی "اسلامی تحریک" میں ان کے عراق اور شام پر حملوں کا ذکر بھی کیا ہے وُہ لکھتے ہیں "اور اسی سال اُس کا بیٹا سعود ابن عبدالعزیز بن محمد مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخل ہوا اس کے بعد اہلِ نجد کے حوصلے بڑھ گئے ان کی نگاہیں شام کی طرف اٹھنے لگیں اور تمام دُنیاء اسلام کو دعوتِ توحید سے آشنا کرنے کا خیال ان کے دلوں میں گدگدی پیدا کرنے لگا۔ شام اور عراق کے علاقوں پر کئی کامیاب حملے بھی کئے" (اسلامی تحریک ص ۱۸ و ۱۹) ندوی صاحب نے بھی اس ہولناک دعوتِ توحید کے لیے مسلمان ہی انتخاب کئے۔ ان لوگوں کی عقلیں کیا ہو گئی ہیں یہ تو سفہاء الاحلام ہونے کا خود اعلان کر رہے ہیں۔

ان کی ہمتیں اس قدر بلند ہو چکی تھیں کہ انہوں نے سلطان المعظم کو بھی وہابیت قبول کر لینے کی دعوت دی۔ اسی حرمین محترمین کی بے حرمتی کی اور بے گناہوں کے قتلِ عام کی پاداش میں ان کی نسل ان مصری باپ بیٹوں کی تلوار سے قتل ہو گئی۔ اور سلطنتِ عثمانیہ نے بھی حرمین شریفین کی طرف سے جو لاپروائی برتی تھی وُہ بھی اُس کی پاداش میں اُسی وقت سے رُو بہ زوال ہو گئی۔ اُس کے صوبے کچھ یورپین حکومتوں نے دبائے اور کچھ آزاد ہو گئے۔ رُوس نے چار اسلامی صُوبے ارض رُوم۔ باطوم۔ کاکیشیا۔ قفقاز۔ دبا لیئے۔ فرانس سے بگڑی تو اُس نے ٹیونس اور الجزائر اور کچھ حصہ سوڈان کا ہضم کر لیا۔ اٹلی نے طرابلس جیسے خالص اسلامی صوبہ پر قبضہ کر لیا۔ انگریز مصر اور بقیہ سوڈان کے مالک بن گئے۔ اسپین مراکش پر چڑھ دوڑا۔ یہ تو ایشیائی ترکی میں گزری۔ یوروپین ترکی میں سرویہ۔ بلغاریہ۔ مانٹی نگرو جس کو آج یوگوسلاویہ کہا جاتا ہے اور رومانیہ آزاد ہو گئے۔ اور تھریس کا بھی کچھ حصہ انہیں بلقانی ریاستوں میں شامل کر دیا گیا۔ بوسینا ہرزی گونیا کے دونوں صوبے پہلے ہی آسٹریا ہنگری میں ملحق ہو چکے تھے۔ غرضیکہ یورپ میں ترکوں کے پاس صرف مشرقی تھریس اور قسطنطنیہ رہ گیا تھا۔ جو اَب بھی انہیں کے قبضہ میں ہے۔

سب سے آخر میں ۱۹۱۴ء کی لڑائی ہوئی جس میں سلطنتِ عثمانیہ کا چراغ ہی گُل ہو گیا اور سارا عرب ترکوں کی حکومت سے نکل کر اغیار کے قبضہ میں پہنچ گیا۔ اور یوروپین ترکی میں بھی اتحادی کمشنروں نے اپنا قبضہ جما لیا۔ وُہ سب نحوست جو مسعود عالم صاحب ندوی کے شیخ الاسلام اور اُس کے گروہ کے فتحِ مکّہ کرنے اور بے گناہوں کے بہتے ہوئے خون سے حرم کو شرک و بدعت کی آلودگیوں سے پاک کرنے میں آئی تھی۔ اب گئی اور چلتے چلتے یہ کہہ گئی۔ ع اے ترک من مناز کہ ترکی تمام شد

یہ سلطنتِ عثمانیہ ہی کے دم خم تھے کہ اُس نے ایک صدی سے زائد اس نحوست کا مقابلہ کیا۔ اس دوران میں اچھے بُرے بہت سے بادشاہ تختِ سلطنت پر بیٹھے۔ اور

انہوں نے اِس نحوست کے سخت مقابلے کِئے مگر کامیاب نہ ہُوئے۔ یہ ضرور ہُوا کہ بعض مدبّر بادشاہوں کی اَن تھک کوششوں نے اُس سیلابِ زوال کو ایک حد تک روکے رکھا مگر نظامِ قدرت کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ آخر ربّ العزّت کو قیامت کی فضا تیار ہی کرنا ہے۔ یہ تھی دُنیا ءِ اِسلام میں اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی پہلی قسط جو عرب میں ہوئی اَور یہ ہُوا اُس کا اِسلامی دُنیا پر عبرت ناک اثر۔

ہندوستان میں اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی بُنیاد

اُس کے کچُھ ہی روز بعد ہندوستان میں بھی انگریز نے اُسی نشاۃِ ثانیہ کی خیمہ میں بیٹھ کر بہ اِشتراک سیّد احمد و امیر خاں پنڈاری بُنیاد رکھ دی۔ اب دیکھئے اِس نشاۃِ ثانیہ نے یہاں کیا غضب ڈھایا ہے۔ اِس ہندوستانی تحریک کے حالات آپ پچھلے اَوراق میں کچھ پڑھ بھی چکے ہیں۔ مگر یہ کہ اِس تحریک کی تشکیل کیسے ہوئی۔ یہ معلوم کرنے کے لِئے آپ پہلے تاریخِ ہندوستان کا حسبِ ذیل حِصّہ جو پنڈاریوں سے متعلق ہے اپنے دماغ میں محفوظ کر لیں تو اِس تحریک کا سرا آپ کو بھی مِل جائے۔ اَور پھر تحریک کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔

پنڈاریوں کی جنگ[1] از ۱۸۱۶ء تا ۱۸۱۸ء

پنڈاری مرہٹہ سپاہ میں بے قاعدہ سپاہیوں کی حیثیت سے شریک رہتے تھے۔ ان کا ذِکر سب سے پہلے اَورنگ زیب اَور شیواجی کی باہمی لڑائیوں میں آتا ہے۔ وُہ لوگ کسی خاص دین اَور مذہب کے آدمی نہ تھے۔ بلکہ ہر ذات کے لٹیرے اَور ڈاکو تھے جو راجپوتانہ اَور

---

[1] منقول از نیو ہسٹری آف اِنڈیا مصنفہ ایشری پرشاد ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی ڈاکٹر آف لٹریچر، پروفیسر آف ہسٹری الٰہ آباد یونیورسٹی منظور شدہ بذریعہ مہیش چندر ایم۔اے۔

وسطِ ہند پر ڈاکہ ڈالتے رہتے تھے۔ لوگوں پر وحشیانہ سختی کر کے ان کو روپیہ دینے پر مجبور کرتے اَور دہات میں آگ لگا دیتے تھے۔

ان کے چار سردار امیر خاں، کریم خاں، واصل محمد اَور چیتوا تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ہزاروں سپاہی رہتے تھے۔ جن کی مدد سے وُہ ملک کو لُوٹتے اَور تباہ کرتے تھے۔ اَور مرہٹہ سرداروں کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ نے اُن سے لڑنے کی بہت بڑی تیاری کی۔ ہندوستان اَور دکن دونوں ملکوں میں ان پر حملہ شروع ہُوا۔ ایک لاکھ تیرہ ہزار فوج تیار کی گئی جس کو چار حصّوں میں بانٹ دیا گیا۔ شمالی ہند کا سپہ سالار خود گورنر جنرل[1] بنا۔ اَور شمالی ملک کی سپاہ سر ٹامس ہسلاپ کی سپہ سالاری میں رکھی گئی۔ مرہٹوں سے بھی اُسی وقت لڑائی چھڑ گئی۔ اَور اُسی کے ساتھ پنڈاریوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اَور اُن کے بہت سے لوگ قتل کر دیئے گئے اَور ۱۸۱۸ء[2] تک وُہ لوگ بالکل پراگندہ ہو گئے۔

امیر خاں انگریزوں[3] کا مطیع ہو گیا۔ اَور اُس کو ٹونک کی ریاست مِلی۔ کریم خاں نے بھی ایسا ہی کیا۔ چیتوا جنگل کو بھاگ گیا۔ وہاں چیتے کا شکار بن گیا۔ باقی پنڈاری زراعت پیشہ یا دستکار ہو گئے۔

یہ تو پنڈاریوں کی اَور امیر خاں کی رُودادِ زندگی ہے کہ لُوٹ اُن کا پیشہ تھا اگر کہیں

---

[1] لارڈ ہیسٹنگ وائسرائے ہُوا۔ ۱۲

[2] اسی ۱۸۱۸ء میں نجدی فتنہ عرب میں محمد علی مصری مرحوم کی بڑی جد و جہد سے ختم ہُوا تھا۔ وُہی فتنہ انگریز نے ہندوستان میں امیر خاں سے صلح کر کے پھر جگا دیا اس وقت یہاں سید احمد اور لارڈ ہیسٹنگ اَور امیر خاں نے اُس کی اسکیم تیار کی اَور پاس کر دی ۱۲

[3] یہ بات انگریزی اثر کے ماتحت لِکھی گئی۔ ورنہ امیر خاں نے انگریز کو شکست فاش دی تھی جو حیاتِ طیبہ میں موجود ہے۔ جس کی طرف بعض مؤرخین نے اشارہ بھی کیا ہے۔ اگر امیر خان کو انگریز کے مقابلہ میں شکست ہو جاتی تو امیر خاں دوسرے مسلمانوں کی طرح سُولی پہ لٹکتے نظر آتے۔ ٹونک کے نواب ہرگز نہ ہو سکتے تھے۔ ۱۲

مقابلہ ہو جاتا تھا تو بڑی بے دردی اور چابک دستی سے قتل و غارت بھی کرتے تھے۔ چونکہ
دن دہاڑے یہ لوگ چھاپے مارتے تھے اس لئے مقابلہ کی نوبت ضرور آتی ہوگی۔ یوں قتل و
غارت بھی لوٹ مار کے ساتھ ہی ساتھ ہوتا ہوگا۔ سارا راجپوتانہ اس گروہ سے کانپتا تھا۔

سیّد احمد کے مختصر حالاتِ زندگی

اب ذرا مسعود عالم ندوی کی زبانِ قلم سے "پہلی اسلامی تحریک" کے صـ۳۳ پر ان
پنڈاریوں میں سیّد احمد صاحب کا شمول اور یہ کہ آپ کے شامل ہوتے ہی وُہ لوٹ مار
جہاد میں منتقل ہوگئی۔ دیکھئے "جب آپ کی عمر سترہ سال کی ہُوئی اور شفیق باپ کا سایہ
سر سے اُٹھ گیا تو روزگار کی تلاش میں گھر سے چل کھڑے ہُوئے لکھنؤ میں ایک مسلمان
نواب کے یہاں آپ کا قیام رہا۔ (جب وہاں نہ نبھی تو) پھر آپ دہلی تشریف لے گئے
اور شاہ عبد القادر صاحب دہلوی کے سامنے آپ نے زانوئے ادب تہہ کیا۔ (سیّد احمد
صاحب کو علم سے جیسی کچھ مناسبت تھی وُہ تو آپ اُوپر کے اوراق میں پڑھ ہی آئے ہیں۔
مگر ہاں ایک بے ہُنر جاہل کے لئے گزارے کا اچھا ذریعہ اور اُجلا روزگار طالب علمی ہی ہو
سکتا تھا۔ تو اپنی بے روزگاری ختم کرنے کے لئے آپ کی نظرِ انتخاب اُسی روزگار پر پڑی
اور خوب پڑی۔ اس واسطے کہ کھانے اور کپڑے سے تو اس روزگار میں (جو روزگار ہی
سمجھ کر اسے اختیار کرے) بالکل بے نیازی ہو جاتی ہے۔ اور یہ دیسی طلبہ کو لوگ بصورتِ
نقد بھی اُن کے جیب خرچ کے لئے نذریں دیتے ہیں۔ یہ رواج اب تک ہے تو پہلے
بہت آمدنی ہوتی ہوگی۔ احتیاط سے خرچ کرنے والے طلبہ کچھ پس انداز بھی کر لیتے ہوں گے)
"اور شاہ عبد العزیز صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ ۱۲۲۲ھ کا ذکر ہے جب آپ
کی عمر ۲۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ دہلی کے اس پہلے سفر کے بعد آپ وطن لوٹ آئے۔
اور تقریباً دو برس وہیں رہے۔ اسی مدت میں آپ نے نکاح کیا (تو معلوم ہوتا ہے

کہ دہلی کی طالب علمی میں آپ کو کافی منافع ہوا۔ ورنہ شادی کا خرچ کہاں سے آجاتا۔
اپنی دُلھن کے ساتھ تقریباً دو سال وطن میں رہے۔ اب دورِ طالب علمی کی کمائی ختم
ہو گئی ہوگی جو)

اس کے بعد آپ نے (بے روزگاری کو ختم کرنے کے لئے راجپوتانہ کا سفر کیا
جہاں نواب (جو اس وقت لٹیرے اور ڈاکو مشہور تھے) امیر خاں کا قیام تھا۔ سیّد
صاحب کی پوزیشن بچانے کے لئے اُنہیں ندوی صاحب نے دورِ پنڈاریت میں بھی
نواب ہی کہا ہے۔ یہ کیسے کہہ دیں کہ سیّد صاحب بے روزگاری سے تنگ آ کر امیر خاں
پنڈاری ڈاکو لٹیرے کے گروہ میں شامل ہونے جا رہے ہیں۔ کاش کہ سیّد احمد صاحب
کچھ بھی پڑھے لکھے ہوتے یا کوئی ہُنر جانتے ہوتے تو اس پیشہ کو اختیار کرنے کے لئے
مجبور نہ ہوتے۔ یہ ہم یقین ہی کر لیں کہ یہ اُن کا تقاضاء فطرت نہ تھا۔ مگر اُن کا افلاس
اور نئی دولھن کے اخراجات انہیں مجبور کر رہے تھے کہ بڑے پیمانہ پر دولت کما کر ان
اخراجات کو پورا کریں۔ بہت ممکن ہے کہ بی بی کے طعنوں کا بھی اس میں کچھ ہاتھ ہو۔
ندوی صاحب نے سیّد صاحب کی مجبوریوں کو ہاتھ نہ لگایا بلکہ ان کی اس مجبوری
والی معصیت سے سیّد احمد صاحب کی پوزیشن محفوظ رکھنے کے لئے اس معصیت کو ایک
بڑی عظیمت سے بدلا ہے۔ وُہ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ "راستہ میں دہلی ٹھہرتے ہوئے
نواب امیر خاں کے پاس پہنچے (تقریباً ۱۲۲۴ھ) سیّد صاحب کے دل میں جہاد کا
شوق تو بدو شعور سے موجود تھا ہی، نواب کی فوج (پنڈاریوں کے گروہ) میں اس
شوق کے عملی جامہ پہنانے کا موقع مِلا۔ اور اس غرض سے ایک مدت تک (سوانح
احمدی میں یہ مدت سات برس بیان کی گئی ہے) وہاں جہاد کی ترغیب دیتے رہے۔
اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ نواب امیر خاں کی فوج میں آپ کا قیام صرف واعظ[1] اور

---

[1] کیا خوب پلٹا لیا ہے ۱۲

مبلغ ہی کی حیثیت سے تھا بلکہ وُہ متعدد لڑائیوں (ندوی صاحب نے امیر خاں کی لُوٹ مار اور تاخت و تاراج کو لڑائیوں کے لفظ سے صرف جہاد کی مناسبت سے تعبیر کیا ہے) میں امیر اور نواب کے مشیرِ خاص کی حیثیت سے شریک رہے۔ لیکن جب وہاں فضا ساز گار نہ رہی۔"

اب اس فضا کی ناسازگاری کا سبب مُلاحظہ ہو۔ یہ وُہ وقت تھا کہ لارڈ ہیسٹنگ نے چاروں پنڈاریوں پر لشکر کشی کی تھی جو مُلک دکن اور راجپوتانہ میں پھیلے ہُوئے تھے۔ انگریزی فوج چار حصّوں میں تقسیم ہو کر پنڈاری لشکر پر اپنی اپنی جگہ حملہ کر رہی تھی تاکہ ایک گروہ دُوسرے گروہ کو مدد نہ دے سکے۔ امیر خاں کی بہادری اور چابک دستی کے پیشِ نظر ان کے مقابلہ میں خود لارڈ ہیسٹنگ راجپوتانہ میں کمان کر رہا تھا۔ جب امیر خاں کے لشکر پر انگریزی فوج کا حملہ ہُوا تو پہلے دونوں فوجیں ایک دُوسرے کے مقابل ڈٹ گئیں۔ انگریز جب بڑھے تو امیر خاں کی فوج کو ہٹنا پڑا۔ امیر خاں نے شکست کے آثار جب دیکھے تو فوراً فوجی ترتیب ختم کر دی اور اپنا لشکر متعدد ٹولیوں میں بانٹ کر گوریلا جنگ کا حکم دے دیا۔ گوریلا جنگ شروع ہوتے ہی جنگ کا پانسہ پلٹنے لگا۔ پنڈاری ہر طرف سے صحرائی درندوں کی طرح انگریزی فوج میں گھس آتے۔ انگریزی فوج کی ترتیب بگڑ گئی۔ اُس وقت توپ خانہ نے انگریزی فوج کی لاج رکھ لی۔ اور پنڈاری جس قدر انگریزی فوج کو کاٹ سکے کاٹ کے رفوچکر ہو گئے وُہ پہاڑوں میں جا چھپے۔

لارڈ ہیسٹنگ کو اپنی شکست کا احساس ہو گیا اور وُہ سمجھ لیا کہ امیر خاں کو لڑ کر زیر کرنا ناممکن ہے تو اُس نے وہیں کیمپ ڈالا اور امیر خاں پر قابو پانے کی ٹھنڈی تدبیر سوچی کہ امیر خاں کو لالچ دے کر قابو میں لے لیا جائے۔ لہٰذا صلح کے نامہ و پیام شروع ہُوئے۔ امیر خاں نے اپنی نمائندگی سیّد احمد کے سپرد کی۔ وُہ لارڈ سے ملے۔ عیّار انگریز نے ان کو نہ معلوم کیا سبز باغ دکھائے جو وُہ امیر خاں کے گلے میں انگریزی غلامی کا

طوق ڈالنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

سیّد احمد صاحب سات سال سے امیر خاں کے ساتھ تھے اور اس کے بے حد معتمد تھے۔ امیر خاں نے پنڈاریوں کے ایک دستہ کی کمان بھی ان کو دے رکھی تھی۔ غرضیکہ امیر خاں کو اُن پر پُورا اطمینان اور پکا بھروسا تھا۔ اُدھر انگریز نے اُنہیں شیشہ میں اُتار لیا تھا۔

بالآخر یہ صلح بصُورتِ معاہدہ ہوئی جس کا منظر مرزا حیرت نے حیاتِ طیبہ مطبُوعہ فارُوقی دہلی میں ص ۲۲۴ پر ان الفاظ سے پیش کیا ہے:" لارڈ ہیسٹنگ سیّد احمد صاحب کی بے نظیر کارروائیوں سے بے حد خوش تھا۔ دونوں لشکروں (انگریزی فوج اور پنڈاری لشکر کے درمیان ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اُس میں تین آدمیوں کا معاہدہ ہُوا۔ لارڈ ہیسٹنگ[۱]، سیّد احمد صاحب[۲]۔ امیر خاں[۳]" سیّد احمد صاحب ہی نے امیر خاں کو (انگریزی باجگذاری کے لئے) شیشہ میں اُتارا تھا"۔

اب ذرا امیر خاں کی اُس وقت کی حالت ملاحظہ ہو۔ اِسی حیاتِ طیبہ ص ۲۹۴ میں ہے:" امیر خاں نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا"۔ کاش کہ اُس وقت امیر خاں کو کوئی صرف انگریز کے ہندوستان سے نکالنے پر آمادہ کر دیتا تو سارا ملک دھن من تن سے اُس کا ساتھ دیتا۔ پھر تو ہندوستان کی پیشانی پر انگریز کی غلامی کا سیاہ داغ کبھی نہ لگتا۔ دیسی حکومت قائم کرنے اور بدیشی انگریز کو نکالنے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ مولانا فضلِ حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انگریز سے جہاد کرنے کی تحریک چل ہی رہی تھی وُہ فوراً زور پکڑ جاتی۔ اور انگریز کو بیک بینی دو گوش ملک سے بھاگنا پڑتا۔ مگر سیّد احمد صاحب کو تو انگریز کی غلامی کی دُھن تھی۔ انگریز آنے والے جہاد کی سرداری اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا لالچ دے چکا ہو گا اور یہ بھی اندیشہ لگا ہو گا کہ اگر امیر خاں کے اِس جہاد سے مغلیہ سلطنت سنبھل گئی

تو مجھے کون پوچھے گا۔

ان خطرات کے پیشِ نظر انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ خود انگریز کے غلام ہو گئے اور امیر خاں کو اپنے ہاتھ سے غلامی کا طوق پہنا گئے اور سارے ہندوستان کو ہر ہندو مسلم کو انگریز کا غلام بنا گئے۔ افسوس۔ ورنہ اسی لڑائی میں انگریزی فوج کی ہیبت پنڈاریوں کے دل سے بالکل نکل چکی تھی۔ پھر کیا رہ گیا تھا چنانچہ حیاتِ طیبہ کے اسی ص ۲۹۴ میں مرزا حیرت لکھتے ہیں "سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اُتارا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر خاں اس غلامی کے لئے ہرگز راضی نہ تھا آپ نے اُسے یقین دلایا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے بُرا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لئے سمِ قاتل کا اثر رکھتا ہے۔"

یہ تھا سید احمد صاحب کا وُہ آخری حربہ جس پر امیر خاں نے انگریز کے آگے جھکنا گوارہ کر لیا اور خیمہ میں بیٹھ کر ہندوستان کی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

سید احمد صاحب کی یہ حرکت بظاہر ملک و ملت سے کھلی غداری معلوم ہوتی ہے۔ مگر مرزا حیرت صاحب نے اسی ص ۲۹۴ پر اس پر بھی سید احمد صاحب کو بے حد سراہا ہے وُہ لکھتے ہیں کہ "۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے۔ مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرا دی۔ اور آپ ہی کے ذریعہ سے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر امیر خاں کی اولاد حکمرانی کرتی ہے دینے طے پائے تھے۔"

اس کے متصل ہی لکھتے ہیں "لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارروائیوں

لے اُوپر کہیں مسعود عالم ندوی کا کہنا کہ "سید احمد ۱۲۲۴ھ میں پنڈاریوں میں شامل ہوتے تھے" یوں آپ کو پنڈاریوں کے ساتھ اشتراکِ عمل کا آٹھواں سال چل رہا تھا۔ ۱۲

سے بے حد خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں۔ لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔

معاہدہ کا ان حضرات نے جہاں کہیں ذکر کیا ہے تو ناظرین کو معاہدہ کے خیمہ تک پہنچا کر خود دُوسری طرف چل دیئے ہیں۔ یہ کسی نے نہ بتایا کہ خیمہ کے اندر معاہدہ کیا ہوا۔ معاہدہ بتائیں تو کیسے بتائیں۔ وُہی تو ہندوستان کی ساری تباہیوں اور وہابیت کا سنگِ بنیاد تھا۔

یہ یاد رکھئے کہ معاہدہ ہمیشہ مستقبل کے لئے ہوتا ہے۔ ان تینوں نے جو کچھ مستقبل میں کیا وُہ ہی معاہدہ تھا۔ اسی معاہدہ کی رُو سے ہندوستان میں سکھوں کے مسلمانانِ پنجاب پر بے پناہ مظالم کا پروپیگنڈا کر کے اشتعال کی آگ بھڑکائی گئی۔ یہ پروپیگنڈا انگریز جیسے ماہر کا تیار کیا ہوا ہوتا تھا۔ اور ان کے مبلّغ تصویرِ غم بن کے منظرِ عام پر ادا کرتے۔ اور اس کے ساتھ فضائلِ جہاد کی آیات و احادیث ملا کر اشتعال انگیز آگ بھڑکا دیتے تھے۔ سامعین میں جوشِ انتقام بھڑک جاتا تھا۔ بنگال و بہار (جو خالص انگریزی علاقہ تھا) اُس میں ہر طرف انتقام کی آگ بڑی آزادی سے بھڑکائی جا رہی تھی۔ اور حقیقتِ حال کی کسی کو خبر نہیں تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ پنجاب جانے کے لئے ہر شخص سر سے کفن باندھ رہا تھا۔

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مصطفوی — جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

انگریز کا پلان

یہ تھا انگریز کا سیاسی شاہکار جس سے مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کی تحریک کا رُخ انگریز کے بجائے سکھوں کی طرف پھر گیا۔ اور پنجاب کے لئے آدمی اُمنڈنے لگا روپیہ کے ڈھیر ہو گئے۔ اسی تحریک کے دوش بدوش وہابیت سیلاب کی طرح پھیلنے لگی۔ ہندوستان کے دُوسرے صوبوں میں بھی ان لوگوں کے دَورے ہونے سے یہ تحریکِ جہاد و وہابیت پھیل گئی۔ جو آدمی اُس جہاد کے لئے تیار ہوا تھا جو انگریز سے ہونے والا تھا

وُہ پنجاب کو چل پڑا۔ اَور سارا ہندوستان پنجاب کی طرف ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگا۔ جو جوان پنجاب گئے وُہ تو ہمیشہ کے لِئے گئے اَور جو رہ گئے اُن کا رُخ بھی پنجاب ہی کی طرف تھا۔

انگریز نے اِس نظر بندی اَور جھپٹ سے یہ فائدہ اُٹھا لیا کہ جس قدر ہندوستان میں اِس جوان کے نِکلنے سے کمزوری آئی اُسی قدر اُس نے خاموشی سے پاؤں پھیلائے اَور مغلوں کا بستر سمیٹنا شروع کیا اَب وُہ ملک میں خاموشی سے قبضہ کرتا چلا جاتا تھا۔ اَور اُس کا مزاحم کوئی نہ تھا جو اپنے دین و وطن کے لِئے جان کی بازی لگاتا اَور انگریز پر تلوار اُٹھاتا۔ اِس جہاد سے انگریز کو دُہرا فائدہ ہُوا۔ یہاں کا جنگجو جوان نِکلنے سے اُس کا اتنے بڑے ملک پر آسانی سے قبضہ ہوتا چلا گیا۔ اَور سرحد و پنجاب کے کمزور ہونے سے اُس کے لِئے وہاں بھی قبضہ آسان ہو گیا۔

انگریز کو جب تک اِس جہاد کی ضرورت رہی اُس نے ان مجاہدین کی ہر طرح مدد کی۔ اَور برابر اِس کام سے اُنہیں لگائے رکھا۔ جب اس کا قبضہ مکمل ہو گیا تو ان مجاہدین کی حیثیت اُس کی نگاہ میں نچوڑے ہُوئے لیموُ سے زیادہ نہ تھی۔ یہ تھی حقیقت اس جہاد کی جس کے سارے مجاہد اصحاب بدر کے ہم پلّہ بتائے گئے ہیں۔

اَب انگریزی حکومت اس براعظم پر قبضہ کر کے (جس کی زمینیں سونا اُگلتی ہیں۔ جو بیرونی ممالک میں جنت نشان کہلاتا ہے) ایسٹ اِنڈیا کمپنی سے برطانیہ عظمیٰ بن گئی۔ معاہدے کے تیسرے فریق امیر خاں نے راجپوتانہ میں انگریز کی ایجنٹی کا کام کیا۔ دورِ پنڈاریت میں راجپوتانہ کی ریاستیں صرف امیر خاں سے خائف رہتی تھیں۔ اُس کے انگریزی قبضہ میں آ جانے سے انگریز سے بھی ڈرنے لگیں۔ اِدھر امیر خاں سیّد احمد صاحب کو اُن کے جہاد میں روپے اَور آدمی سے برابر مدد دیتا رہا۔ اس کا حیاتِ طیبہ و تواریخِ عجیبہ میں کئی جگہ ذِکر آیا ہے۔

یہ تو معاہدہ کا عملی حِصّہ تھا جو آپ نے ابھی پڑھا۔ اب اُس کا انجام بھی سُن لیجئے۔

انگریز کی ملیٹھی مُراد، ہندوستان اَور پھر سرحد و پنجاب کا بادشاہ بننا تھا۔ اَور اپنی اِس بادشاہت کا ساتھ ہی ساتھ اِستحکام چاہتا تھا۔ تو وُہ اپنی پُوری مراد پا گیا۔ وُہ مغلیہ حکومت ختم کر کے بلا شرکتِ غیرے ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اَور مستقبل میں اُس کی حکومت کے اِستحکام کے لِئے ایک گروہ اُس کے جاں نثاروں کا ایسا پیدا ہو گیا جس میں اِمامِ ربّانی، طبیبِ رُوحانی، حاجی، حافظ، عالم مع اپنی جماعتوں کے سب شامل تھے۔

آئندہ بھی اُسے مسلمانوں کے اِتحاد سے خطرہ تھا۔ تو یہ خطرہ نہ صرف اُس کے حق میں بلکہ ہر آنے والی حکومت میں ہمیشہ کے لِئے ختم ہو گیا۔ ہندوستان کو اگرچہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے مگر یہاں اِتحادِ اِسلامی کا اِمکان بھی نہیں ہے۔ امیر خاں جو پنڈاری اَور ڈاکو کہلاتا تھا وُہ نواب امیر خاں بالقابہ ٹونک کے نواب ہوئے اَور غالباً فرزندِ دلپذیرِ دولتِ انگلیشیہ کا معزّز خطاب بھی پایا۔ اَور اپنی اولاد کے لِئے دولت و حکومت کا بڑا سرمایہ چھوڑ گئے۔

سیّد احمد صاحب نے مذہب کی آڑ سے اپنی حکومتِ الٰہیہ قائم کرنا چاہی تو وُہ سرحد میں اِسلامی آبادیوں میں کہیں کہیں قائم ہوئی۔ مگر پھر حرفِ غلط کی طرح میٹ دی گئی۔ اُن کے باقیات . . . . . . میں صرف مذہب کی آڑ (وہابیّت) رہ گئی۔ اِن حسابوں وہابیّت کوئی مذہب نہیں بلکہ مذہب کی آڑ ہے۔ جس سے ملک ہاتھ آتے ہیں۔ اَور آپ نے اب تک ان اَوراق میں جوان کا کردار دیکھا ہے۔ اُس سے آپ بھی اِس نتیجہ پر پہنچے ہوں گے کہ اُنہوں نے ہر موقع پر مذہب سے آڑ ہی کا کام لیا ہے۔

اَب اُس حکومتِ الٰہیہ کی تھوڑی سی تگ و دَو سُن لیجئے۔ انگریز نے جب تک پُورے ہندوستان پر اِطمینان سے قبضہ نہ جما لیا وُہ انہیں برابر مدد دیتا رہا غرضیکہ انہیں سرحد و پنجاب میں اُلجھائے رہا۔ یہ بھی اِس آرزُو میں لگے رہے کہ کہیں اپنی حکومتِ الٰہیہ قائم کر لیں۔ انگریز نے سارے ہندوستان پر قبضہ جما لیا۔ انہوں نے پیشاور میں اپنی حکومتِ

الٰہیہ قائم کر لی تھی تو وہاں پٹھانوں نے ان کے سارے عمال اور خاص اصحاب تک قتل کر دیئے۔ جیسے ندوی صاحب "اسلامی تحریک" کے ص۷ پر بادیدۂ پُرنم لکھتے ہیں "پشاور فتح ہو چکا تھا مگر سردارانِ پشاور کی غداری کے باعث سید صاحب کے مقرر کردہ عمال اور خاص اصحاب کا قتلِ عام ہوا۔"

پشاور سے اور سکھوں سے کیا واسطہ کسی مسلمان امیر پر منافق کا لیبل لگا کے وہ اور اُس کے مسلمان سپاہی کاٹے ہوں گے تو قبضہ ہوا ہوگا۔ اسی تگ و دو کے سلسلہ میں اسی "اسلامی تحریک" کا ص۷ دیکھ لیجئے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب صادق پوری کا محتاط بیان یہ ہے (بڑے بڑے معرکے سر کیئے اور ظفریاب ہوتے جن سے کفار (سکھ) اور منافقین (مسلمانوں) کے دل ہار گئے۔ سکھوں سے متعدد مورچے[1]، قلعے، علاقہ جات چھین لیئے خوانین غدار و سرکش کو بھی مطیع و فرماں بردار کر لیئے۔ تمام امن و طمانیت بخش کر کلمۂ توحید کی منادی کر دی اور حدود و قصاص اسلامی جاری کر دیئے)

اِن حسابوں تو سکھوں سے لڑنے کا رقبہ بھی تھوڑا اور محدود ہی تھا۔ مگر وہاں جہاد ایک صدی[2] سے زیادہ جاری رہا۔ تھوڑے سے سکھ زیر نہ ہو سکے۔ اِس واسطے کہ

---

[1] لفظ مورچے پر یہ حاشیہ درج ہے "ملک چھچھ و پکھلی معہ قلعہ جات اب ذرا یہ تو دیکھئے کہ چھچھ ہزارہ سرحد میں ہے۔ ہمیشہ یہ علاقہ اسلامی اکثریت کا حامل رہا ہے۔ پٹھانوں کا وطن ہے۔ یہاں سے بھی مسلمانوں ہی سے نفاق کا لیبل لگا کے لڑنا پڑا ہوگا۔

[2] ایک صدی سے زیادہ جہاد جاری رہنے کی تصدیق خود مسعود عالم صاحب ندوی نے اپنی کتاب "اسلامی تحریک" کے ص۳۵ پر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "سید صاحب کی شہادت ۱۸۳۱ء سے لے کر پورے سو برس مسلسل ۱۹۳۴ء تک جس طرح اِس خاندان نے جہاد کا علم سربلند رکھا۔ وہ قربانی اور سرفروشی کی تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے۔"

ندوی صاحب ہمارے اطمینان کے لیئے اس کی بھی ایک مثال تلاش کر دیجئے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمان جہاد کے نام سے مسلسل سو برس تک کٹتا رہے مسلمانوں کا کروڑوں روپیہ برباد ہوتا رہے۔ اور نتیجہ خسر الدنیا والاخرہ ہو سرحد و پنجاب میدانِ جہاد تھا یا اسلامی کمیلا۔ مجاہدین کی تعداد (باقی اگلے صفحہ پر)

سید احمد صاحب کی جو گشتیاں جاری ہوتی رہتی تھیں اُن میں بار بار یہ اعلان ہوتا تھا جو مع ترجمہ آپ پچھلے اوراق میں پڑھ آئے ہیں"۔ با درازمویاں جویان مقابلۂ ایم نہ با کلمہ گویاں و اسلام جویاں ورنہ بہ سرکارِ انگریزی"۔

مولوی مسعود عالم صاحب ندوی کی حسب ذیل نقل کردہ عبارت سے (جو میدانِ جہاد سے اُن کے ایک نفسِ قدسی کا بیان ہے) سکھوں سے لڑائی کا رقبہ بہت محدود معلوم ہوتا ہے۔ ص۴۷ پر نقل کرتے ہیں "سرِدست خوانین کی غداری کے متعلق ایک باخبر اور مبتلاء الم ہستی کے تاثرات نذرِ ناظرین ہیں۔ (اُس زمانہ میں پنجاب و نواحِ پنجاب متعدد خوانین کے زیرِ حکومت تھا۔ گویا ہر ایک تعلقہ دار آزاد بادشاہ تھا۔ یہ آپس میں تیغ آزمائی کرتے اور نفاق اُن کا طرۂ امتیاز تھا۔)

یہ سب عبدالرحیم صادق پوری کے تاثرات ہیں جنہیں مولوی مسعود عالم صاحب ندوی نے نقل کر کے مجاہدین کی نیا ڈبو دی۔ اگر پنجاب بھی متعدد خوانین کے زیرِ اثر تھا تو اُن کا سکھوں سے جہاد ہی کیسے اور کہاں ہوا۔ یا پھر یہی ہوا کہ پٹھانوں پر نفاق کا لیبل لگا کے سو برس تک انہیں پر تلوار چلائی۔ تو سکھ مظالم کا وہ پروپیگنڈا جو انگریز نے ان کے مبلغین کے ذریعہ سے ہندوستان میں کرایا تھا وہ اسی قسم کی افترا پردازی تھی جو ہندو مسلمان کو لڑانے کے لیئے انگریز نے ہندوستان میں پھیلا رکھا تھا۔ وہ یہ ہے کہ عالم گیر ہندو کُش تھا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اٹھی سینٹیڈ اور بڑھتی بہار کے وقت جو انگریز مؤرخ نے لکھی۔ اور مسعود عالم صاحب ندوی نے ص۹۲ پر نقل کی۔ اُس سے جہاد کے فروغ کے وقت کا اندازہ لگائیے۔ وہ لکھتا ہے "۱۸۶۳ء کی مہم نے بڑے نقصان کے بعد ہمیں سبق دیا کہ جہادیوں کی خلاف معرکہ آرائی کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ دنیا کی بہترین جنگجو قوموں کے ۵۳ ہزار افراد سے لڑائی مول لی جائے۔ بڑھتی بہار کے وقت جب ۵۳۰۰۰ ہزار سے مسلمان میدانِ جہاد میں تھا اس سے اُس وقت کا اندازہ کیجئے کہ سید احمد اور اسمٰعیل صاحبان کی زندگی میں جہاد کی گرما گرمی کے وقت مسلمانوں کا سیلاب یہاں سے چلا ہوگا تو وہاں ٹڈی دَل ہو گیا ہوگا جو سرحد و پنجاب کی زمینوں کی خوراک ہو گیا۔ ۱۲

ظالم تھا۔ ستم گر تھا۔

اگر پنجاب پر سکھ قابض بھی تھا تو ہندوستانی مُسلمانوں کا اِتنا بڑا سیلاب چلا تھا، جو اُن کو ایک ریلے میں بہالے جاتا۔ نہ کہ ایک صدی سے زائد جہاد ہوا اور مجاہد سکھوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ یہ عبدالرحیم صاحب وُہ ہیں کہ جن کو دیکھ کر انہیں مسعُود عالم کے باپ کو صحابہ کرام کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ نیز یہ کہ اوّل سے آخر تک یہی عبدالرحیم صاحب سرحد و پنجاب میں شریکِ جہاد بھی رہے ہیں۔

حرفِ آخر

میں نے اپنی کتاب اسبابِ زوال ــــــ میں قرآن اور حدیثِ صاحبِ لولاک کے سوا حسب ذیل کتابوں کی روایتیں زیادہ نقل کی ہیں۔ تو یہ تینوں کتابیں وہابی جماعت ہی کے معتبر افراد کی کتابیں ہیں۔ اوران کی ساری جماعت میں مستند مانی جاتی ہیں۔

۱۔ حیاتِ طیّبہ۔ اِس کے متعلق مشہُور مناظر وہابیہ مولوی منظور سنبھلی نے الفرقان کے شہید نمبر صـ۱۵ پر لکھا ہے "دُوسری کتاب مرزا حیرت مرحُوم کی حیاتِ طیّبہ ہے جو شاہ اسمٰعیل صاحب کی مبسُوط سوانح عمری ہے"

۲۔ تواریخِ عجیبہ۔ سیرتِ سیّد احمد میں لکھتے ہیں کہ "یہ کتاب اُردُو میں سیّد صاحب کے حالات میں مشہُور و معرُوف کتاب ہے۔ خود مصنّف نے اسے اصح کہا اور مجاہدین کے بیان سے ترتیب دیا۔ جب کہ مصنّف میدانِ جہاد میں مجاہد کی حیثیت سے خود بھی موجُود رہا"

۳۔ ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک۔ اِس کے ٹکسالی کتاب ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کو مولوی ابوالاعلیٰ موُدُودی نے بغور دیکھا اور مشورے دیتے ہیں۔ اس کتاب کے مضامین میں مجھے سچ تلاش کرنے کی زیادہ دُشواری رہی۔

خُدا کے محبُوبوں کی باتیں بڑی پیاری ہوتی ہیں

اور اُن کے استدلال بڑے دل نشین ہوتے ہیں جسے پڑھا لکھا اور بے پڑھا ہر شخص سمجھ لیتا ہے حضرت مولانا جلال الدّین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کو دُنیاء اسلام میں کون نہیں جانتا وُہ اپنے عُرف "مولنا رُوم" سے زیادہ مشہُور ہیں اُن کی مثنوی جو دُنیاء اسلام میں "فارسی کا قرآن" مشہُور ہے اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود
بدنصیبوں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہ تھی
نیک و بد در دیدۂ شاں یک نمُود
بھلا بُرا اُن کو ایک سا معلوم ہوتا تھا

جُملہ عالم زیں سبب گُمراہ شُد
سارا جہان اس سبب سے گمراہ ہوا
کم کسے زابدال حق آگاہ شُد
اولیاء اللہ کو بہت کم لوگ پہچان سکے

ہمسری با انبیاء برداشتند
انبیاء کرام سے برابری کا دعویٰ کیا
اولیاء راہمچو خود پنداشتند
اولیاء کرام کو اپنے جیسا سمجھا

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر
اُنہوں نے کہا کہ وُہ بھی بشر ہیں ہم بھی بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ہم اور وُہ دونوں سونے اور کھانے کے پابند ہیں

گرد دید ابلیس و گفت ایں فرع طیں
حضرت آدمؑ کا خمیر مٹی کا دیکھ کر ابلیس نے انہیں مٹی کا بتایا
چوں فزاید بر من آتش جبیں
اور کہا کہ یہ مجھ آتش جبین سے مرتبہ میں کیسے بڑھ جائے گا

تا تو می بینی عزیزاں را بشر
(جب تک تو عوام النّاس جیسا ان عزّت والوں کو بشر جانتا ہے
دانکہ میراثِ بلیس است آں نظر
تو جان لے کہ تیری یہ نظر ابلیسِ لعین کا ترکہ ہے

گر نہ فرزندِ بلیسی اَے عنید
اَے دشمنِ محبُوبانِ خُدا اگر تُو ابلیس کا فرزند نہیں ہے
پس بہ تو میراثِ آں سگ چوں رسید
تو اُس کُتّے کی میراث تجھ تک کیسے پہنچی

تمّت

دو قومی نظریہ پر ایک عظیم کتاب
خطبات آل انڈیا سُنّی کانفرنس
۱۹۲۵ء — ۱۹۴۷ء
صفحات ۳۵۰، قیمت -/۲۱ روپے
مرتبہ
محمد جلال الدین قادری
جس میں تحریکِ پاکستان کے گمنام گوشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے،
• نظریۂ پاکستان کا حقیقی پس منظر۔
• علمائے اہلِ سنّت کی سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت۔
• وطنیت پرست علماء کے کردار پر حقیقت پسندانہ تبصرہ
• آل انڈیا سُنّی کانفرنس — اور تجویزِ تقسیمِ ہند
نفیس کتابت، دیدہ زیب طباعت
اعلیٰ کاغذ، مضبوط اور خوبصورت جلد
تحریکِ آزادیٔ ہند
اور
السّوادُ الاعظم
مصنف
پروفیسر محمد مسعود احمد
قیمت
۱۶ سولہ روپے پچاس پیسے
علمائے اہلسنت وجماعت
بالخصوص مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی اور مفتی محمد عمر نعیمی
کے سیاسی و مذہبی افکار وخیالات
نیز تحریکِ پاکستان میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس اور
صحافتی اور عوامی سطح پر اِن حضرات کی قابلِ قدر خدمات کا تحقیقی جائزہ

اپنے موضوع پر منفرد کتاب
ملک کے نامور اہلِ علم و دانش کے تأثرات
امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ
مشاہیر کی نظر میں
مرتبہ محمد مرید احمد چشتی
ابوالاعلیٰ مودودی
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی
احسان دانش
احمد ندیم قاسمی
حکیم آفتاب احمد قرشی
شیخ امتیاز علی
ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
محمد جعفر شاہ پھلواری
ابوالاثر حفیظ جالندھری
حافظ لدھیانوی
رئیس امروہوی
راجا رشید محمود
سرور بجنوری
جسٹس شمیم حسین قادری
شاہ محمد عارف اللہ قادری
ڈاکٹر عبادت بریلوی
میاں عبدالرشید
ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان
پروفیسر کرار حسین
نقاش فطرت ایم اسلم
حکیم محمد سعید دہلوی
پروفیسر مرزا محمد منور
نواب مشتاق احمد خاں
حافظ مظہر الدین
ڈاکٹر محمد باقر
پروفیسر محمد ایوب قادری
محشر رسول نگری
ڈاکٹر وحید قریشی
وقار انبالوی
اور بہت سی دیگر معروف شخصیات کی قیمتی آراء